شمارہ: 10
مارچ
۲۰۱۳ء

ماہنامہ ماہِ نور دہلی

جلد: 8
ربیع الثانی
۱۴۳۴ھ

نوٹ: رسالے کے مستقل قارئین اس جانب ضرور توجہ دیں کہ اگر ان کی ممبری فیس ختم ہوگئی ہو تو ادارہ کو جلد از جلد بذریعہ منی آرڈر روانہ کردیں تاکہ ان کی ممبری بحال رہے۔

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ ماہِ نور
419، اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی-110006

MAAH-E-NOOR Monthly
419, Urdu Bazar, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi - 110006

E-mail:mahenoormonthly@gmail.com, Website : www.abulghaus.com

Printer, Publisher & Owner
SYED ABUL HASAN

Published at:
2229, Star Offset Printing Press
Ahata Hajjan Bi, Rodgran, Delhi-6

Published from:
419, Urdu Bazar, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi - 110006

قیمت فی شمارہ	:	12روپے
قیمت سالانہ	:	150روپے
بیرونِ ممالک	:	20ڈالر
لائف ٹائم ممبرشپ	:	5000روپے
// // بیرون ممالک	:	300ڈالر

فہرست مضامین

خصوصی موضوع:

اتحادِ امت: تفہیم و تجزیہ

(آخری قسط)

خوشتر نورانی ☆

''تحریک اسلاف شناسی''

ایک عزم، ایک مشن اور ایک تحریک، جو امت کو اپنے اسلاف اور ان کے دینی و فکری ذخیرے سے متعارف کرا رہی ہے

ہمارا تعلق مسلکی طور پر اہل سنت و جماعت سے ہے، جسے ''سواد اعظم'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے- سواد اعظم کے معنی ہیں ''بڑی جماعت'' اس میں وہ تمام افراد، علما، مشائخ، درس گاہیں، خانقاہیں، تنظیمیں اور تحریکیں شامل ہیں، جو اہل سنت و جماعت کے بنیادی اور اصولی عقائد و نظریات سے وابستہ ہیں- مذہب اسلام کے ساتھ اس بڑی جماعت کی آب یاری، تبلیغ اور دفاع میں عموماً عالم اسلام اور خصوصاً برصغیر ہند و پاک کے کثیر علما، مشائخ، خانقاہوں اور اداروں کا خون جگر شامل ہے۔ ہر عہد کے کثیر علما و مشائخ نے جہاں اس تناور درخت کو اپنی قوت فکر و عمل سے تنومند کیا ہے، وہیں حوادث زمانہ کے ہاتھوں اسے خزاں رسیدہ ہونے سے بھی محفوظ رکھا۔ امت مسلمہ کا ایک بڑا طبقہ قیامت تک اپنے ان تمام محسنوں کا منت شناس رہے گا، جن کی وجہ سے وہ اس بڑی جماعت کا حصہ بن سکا، جس کے اتباع کا حکم حدیث پاک میں دیا گیا۔

ہر دور میں مذکورہ علما و مشائخ کو اس حوالے سے خراج پیش کیا جاتا رہا اور نئی نسلوں تک ان کے علمی، فکری اور مذہبی ذخیرے کو تعارف و تراجم اور عصری اسلوب و پیرہن کے ساتھ منتقل کیا جاتا رہا، تاکہ امت کا ذہنی و فکری رشتہ اپنے روشن ماضی سے استوار رہے- لیکن پچھلی کئی دہائیوں سے ہماری غفلت و تساہلی کے سبب یہ زریں سلسلہ رک سا گیا، جس کے نتیجے میں آج کی نسل اپنے بیشتر محسنوں کے ناموں تک سے واقف نہیں ہے- یہ سلسلہ یہیں نہیں رکتا، بلکہ دعوت و تبلیغ، عقائد و افکار اور دفاع حق پر مشتمل سیکڑوں کی تعداد میں وہ کتابیں بھی غائب ہوگئیں جو سواد اعظم سے ہماری موروثی وابستگی کا ناقابل تردید ثبوت تھیں- بات یہاں تک بھی ہوتی تو صبر آجاتا، ہمارے جن اسلاف نے پوری زندگی جن جماعتوں کے فکری انحرافات کے خلاف جنگیں لڑیں ، آج وہی جماعتیں ان اسلاف کو اپنے عقائد و افکار کا حامل و پاسبان قرار دے رہی ہیں-

جہاں تک ''رضویات'' کا معاملہ ہے تو تقریباً نصف صدی سے اس پر مسلسل کام ہو رہا ہے- اس سلسلے میں سنی دارالاشاعت مبارک پور اور مرکزی مجلس رضا لاہور کی خدمات نمایاں ہیں- عصری اسلوب میں مسلک اہل سنت اور رضویات کا پرکشش تعارف کرانے میں پروفیسر محمد مسعود احمد نقش بندی مجددی نے اور ہندوستان میں رضا اکیڈمی ممبئی نے افکار رضا کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے- نیز رضا فاؤنڈیشن لاہور نے مکمل ''فتاویٰ رضویہ'' کو تخریج، تحشیہ اور ترجمے کے ساتھ ۳۰ رجلدوں میں شائع کرکے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے-

اللہ کا شکر ہے کہ پچھلی ایک دہائی سے ہند و پاک کے اہل سنت و جماعت میں اسلاف شناسی، دعوت و تبلیغ، تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف اور تنظیم و تحریک کے حوالے سے عمومی بیداری آئی ہے، شعور نے نئی کروٹ لی ہے، افکار و خیالات کے دھارے بدلے ہیں اور اہل سنت کا ایک بڑا طبقہ مذکورہ شعبوں میں پچھلی ایک صدی کے پچھڑے پن پر قابو پانے کے لیے کوشاں اور نئے آفاق کی تلاش میں سرگرداں ہے، جہاں جماعت کی علمی، فکری، سماجی، لٹریری، اشاعتی اور تاریخی ارتقا کی سچی لگن ہے، اخلاص ہے، حوصلہ ہے، صبر ہے اور ظرف ہے——

ہمارے ایک مخدوم زادے نے بڑے پتے کی بات کہی ہے، وہ فرماتے ہیں ''جس کے پاس جو کام ہے، وہ کر رہا ہے- ایک طبقے کے پاس بامقصد مشن ہے، جس کی تکمیل میں وہ شب و روز مصروف ہے، جب کہ دوسرے کے پاس کوئی کام نہیں ہے، اس لیے اس نے پہلے طبقے کی مخالفت کو ہی اپنی مصروفیات اور سرگرمیوں کا مرکز بنالیا ہے- اس پر توجہ دینے کی ضرورت اس لیے نہیں ہے کہ دو دہائیوں کے بعد دونوں کے کاموں کی نوعیت خود طے کردے گی کہ کون کتنا بامراد ہے-''

اسلاف شناسی کے جذبے سے انفرادی طور پر ہر دور میں کچھ نہ کچھ ہوتا رہا ہے، لیکن اس رفتار کے ساتھ اپنی تساہلی کا تدارک نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے ۲۰۱۰ء میں اپنے بڑوں کی سرپرستی میں باقاعدہ ''تحریک اسلاف شناسی'' کا آغاز برصغیر ہند و پاک میں کیا گیا-

---

☆ مدیر اعلیٰ: ماہنامہ جام نور، دہلی

فضل حق شناسی: اس ضمن میں سب سے پہلے تیرہویں صدی ہجری کی ایک عہد ساز شخصیت علامہ فضل حق خیرآبادی (ف:۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) کی حیات وخدمات کو اجاگر کرنے کا عزم کیا گیا، جنھوں نے:

۱- انقلاب ۱۸۵۷ء میں اپنے وطن کو انگریزی استعمار سے آزاد کرانے کے لیے پورے جوش اور ولولے کے ساتھ علمی، فکری اور عملی طور پر حصہ لیا اور اس جرم میں جلاوطنی اور قید وبند کی ناقابل برداشت سختیاں جھیلتے ہوئے دم توڑ دیا- یہ جنگ اور اس میں حصہ لینے والوں کی فکری وعملی بیداری اور قربانی ہی تھی جو ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی آزادی کی بنیاد بن گئی۔

۲- والد ماجد مولانا فضل امام خیرآبادی کے ذریعے ''مکتب خیرآباد'' کی شکل میں جس دبستان علم وفن کی بنیاد ڈالی گئی علامہ فضل حق خیرآبادی نے اس کی فیض بخشیوں کو اس طرح عام کیا کہ آج بھی مدارس دینیہ میں پڑھنے والے طالبان علوم کا شجرۂ تلمذ اسی دبستان پر استوار ہے- اس کے بعد پوری دنیا میں علم معقولات کا کوئی مکتب اور دبستان وجود میں نہ آسکا-

۳- تیرہویں صدی کے ربع اول میں دینی روایات، مذہبی معتقدات اور صوفیانہ مراسم کے خلاف فکری انحرافات کی جو تحریک اٹھی تھی، متحدہ ہندوستان میں علامہ خیرآبادی وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے اس تحریک پر بندش لگانے کے لیے اپنی پوری توانائی کے ساتھ زبانی، فکری اور قلمی جہاد کیا اور ہماری مذہبی اور تہذیبی اکائی کو پارہ پارہ ہونے سے بچانے کی بھرپور کوشش کی- اس کے بعد جن علما نے بھی اس جہت پر کام کیا اور کر رہے ہیں وہ بالواسطہ علامہ خیرآبادی کے مشن کی توسیع ہے-

منت شناسی کا تقاضا تھا کہ ملک وملت کی حفاظت کے لیے علامہ کی ان اہم خدمات کی وجہ سے انھیں ہمیشہ یاد کیا جاتا، لیکن زود فراموشی کے اژدھے نے ایک عہد ساز شخصیت کو سالم نگل لیا اور تاریخ وتحقیق کے نام پر مسلکی فرقہ واریت اور گروپ ازم کے عمل نے اس کے کارناموں کو شکوک وشبہات کی سان پر چڑھا دیا- اس درمیان متعدد فضل حق شناسوں نے اپنے قلم کے ذریعے ان کمیوں کے تدارک کی کوششیں کیں، جن کے خاطر خواہ نتائج بھی برآمد ہوئے، مگر ان کی یہ کوششیں انفرادی اور خالص علمی سطح کی تھیں، اس لیے ان کے اثرات ایک مخصوص حلقے تک ہی محدود در ہے- اللہ کا شکر ہے کہ پہلی بار اہل سنت کے مقتدر عالم دین مولانا یٰسین اختر مصباحی (بانی دارالقلم دہلی) کی قیادت اور سرپرستی میں نومبر ۲۰۱۰ء سے ''فضل حق شناسی'' کی عوامی اور علمی تحریک کا باقاعدہ آغاز ہوا اور ۲۰۱۱ء تک علامہ خیرآبادی کی مذکورہ خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے ہندوپاک میں ہماری معلومات کے مطابق متعدد کام ہوئے- ان کاموں کی نوعیت کچھ اس طرح تھی:

(الف) ہندوپاک کے مختلف رسائل نے اپنے منہاج ومعیار اور صلاحیتوں کے مطابق علامہ پر خصوصی شمارے نکالے ان میں ماہنامہ ماہ نور دہلی، ماہنامہ کنزالایمان دہلی اور ماہنامہ جام نور خاص طور پر قابل ذکر ہیں-

(ب) ہندوستان کے مختلف مقامات مثلاً لکھنؤ، مرادآباد، حیدرآباد، دہلی، جمشید پور، کلکتہ، بھیونڈی، پٹنہ اور رائے پور وغیرہ میں علامہ فضل حق خیرآبادی کانفرنسوں، سیمیناروں اور جلسوں کا انعقاد کیا گیا-

(ج) پاکستان سے جناب محمد ثاقب رضا قادری، کویت سے محمد عثمان اور ان کی ٹیم نے ''فضل حق ڈاٹ کام'' کے نام سے ایک نہایت علمی ویب سائٹ لانچ کی، جس پر علامہ کی متعدد نایاب کتابیں، قلمی نسخے اور مخطوطات، علامہ پر لکھی جانے والی کتابیں اور مضامین، مختلف رسائل کے نمبرات اپ لوڈ ہیں- ان حضرات نے ۲۰؍اگست ۲۰۱۱ء کو علامہ کا آن لائن ڈیڑھ سو سالہ عرس بھی منایا جسے پوری دنیا میں دیکھا گیا-

(د) مکتب خیرآباد اور علامہ پر علمی اور تحقیقی جہت سے دو کتابیں لکھی گئیں، پہلی مولانا اسید الحق قادری بدایونی کی ''خیرآبادیات'' اور دوسری راقم کی ''علامہ فضل حق خیرآبادی: چند عنوانات''- محققین اور ناقدین کی رائے کے مطابق یہ دونوں کتابیں نئے حقائق اور نئی معلومات پر مشتمل تھیں، اس طرح انھیں سلسلۂ خیرآباد کے معلوم گوشوں پر ایک اضافہ کہا جاسکتا ہے- یہ دونوں کتابیں ہندوپاک سے بیک وقت شائع کی گئیں اور حکومت ہند کا ادارہ ''قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان'' دہلی نے ان دونوں کے سیکڑوں نسخے خرید کر اہل علم اور لائبریریوں تک پہنچائے-

(ہ) ہندوپاک کے مختلف اہم روزناموں اور رسائل وجرائد میں علامہ خیرآبادی پر مسلسل مضامین اور تبصرے کی اشاعت ہوئی-

(و)اس حوالے سے مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کی ایک کتاب ''قائد انقلاب'' اور متعدد کتابچے اور فولڈرز اردو اور انگلش میں شائع کیے گئے۔

(ز)علامہ خیرآبادی کی شخصیت اور خدمات کے حوالے سے ''خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری'' پٹنہ نے ایک خصوصی لیکچر کا اہتمام کیا، جس میں مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب نے ڈیڑھ گھنٹے کا ایک علمی لیکچر دیا، جسے سیکڑوں اہل علم نے سماعت کیا۔

(ح)جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا علمی وفکری ترجمان ''ماہنامہ اشرفیہ'' کا کئی سوصفحات پر ضخیم ''علامہ فضل حق خیرآبادی نمبر'' تیار ہو چکا ہے۔ جلد ہی یہ اہم نمبر مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کی ادارت ونگرانی میں شائع ہو کر منظر عام پر آئے گا۔

''فضل حق شناسی'' کی تحریک اس قدر کامیاب ہوئی کہ ۲۰۱۱ء کے اختتام تک ہندو پاک کے عوام وخواص کی مجلسوں میں علامہ خیرآبادی، خانوادۂ خیرآباد، خدمات خیرآباد، دبستان خیرآباد، سلسلۂ خیرآباد، مرکز علم وفن خیرآباد کا ذکر ہر شخص کی زبان پر تھا۔

خانقاہ قادریہ بدایوں کی اسلاف شناسی: بدایوں شریف کی تاریخ بہت قدیم ہے، اس سرزمین نے ہر دور میں ایسے اصحاب فضل وکمال پیدا کیے ہیں جن کی خدمات کی تاریخ بہت روشن اور تابناک ہے۔ بدایوں کی خانقاہ قادریہ اور مدرسہ قادریہ برصغیر ہندو پاک میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام رکھتا ہے۔ مدرسہ قادریہ کے فضلا اور خانقاہ قادریہ کے اکابر ومشائخ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں اسی خانقاہ قادریہ کا شعبۂ نشر واشاعت ہے، جس نے آج سے چند سال قبل اپنے اشاعتی سفر کا آغاز کیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے کئی اہم سنگ میل پار کر لیے۔

۲۰۱۰ء میں خانقاہ کے صاحب سجادہ حضرت شیخ عبدالحمید سالم القادری صاحب کے عہد سجادگی کو پچاس برس مکمل ہوئے، اس موقع کو تاج الفحول اکیڈمی نے ''جشن اشاعت'' کے طور پر منایا اور اکابر خانقاہ قادریہ اور علمائے بدایوں کی پچاس نایاب کتابیں جدید انداز میں شایع کیں۔ اس اقدام سے اکیڈمی نے پوری جماعت کی جانب سے ایک تاریخی قرض ادا کیا، کیوں کہ یہ علما صرف خانقاہ قادریہ کے مریدوں اور عقیدت مندوں ہی کے اکابر نہیں ہیں بلکہ یہ تمام اہل سنت وجماعت کے اکابر ہیں، ان کی خدمات کا اعتراف اور ان کی تصانیف کی نشر واشاعت تمام اہل سنت کا اجتماعی فریضہ تھا۔ اس موقع پر ان کتابوں کی اشاعت سے جماعت کو یہ پیغام بھی گیا کہ جشن صرف جلسوں، جلوسوں اور کانفرنسوں کے انعقاد ہی سے نہیں منائے جاتے بلکہ اس مثبت اور تعمیری انداز میں بھی جشن منائے جا سکتے ہیں۔

اب تاج الفحول اکیڈمی نے ایک اور سنگ میل پار کیا ہے، ۲۴؍محرم ۱۴۳۴ھ کو خانقاہ قادریہ کے عظیم المرتبت بزرگ حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر بدایونی کے وصال کو سو برس مکمل ہوئے، اس موقع پر خانقاہ قادریہ میں جشن صد سالہ منایا گیا، لیکن یہ جشن بھی اس انوکھے انداز میں منایا گیا کہ اس موقع پر تاج الفحول اکیڈمی نے اپنے سلسلۂ اشاعت کی سو(۱۰۰) کتابیں مکمل کیں۔ ان سو کتابوں میں سے زیادہ تر راقم نے دیکھیں ہیں اور بعض کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے، کتابوں کی ترتیب جدید اور تخریج وتحقیق وغیرہ لائق ستائش ہے، کمپوزنگ اور طباعت بھی اعلیٰ معیار کی ہے، جس میں ایک خاص نفاست اور سلیقہ مندی پائی جاتی ہے، ہر کتاب کے آغاز میں خانقاہ قادریہ کے ولی عہد ممتاز محقق وناقد مولانا اسیدالحق قادری کے قلم سے ایک تعارفی مضمون ہے، جس میں کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی گئی ہے۔

اگر مصنفین کے اعتبار سے کتابوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اب تک اکیڈمی سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی ۹، تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کی ۶، مولانا عبدالقیوم عثمانی بدایونی کی ۳، مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کی ۲، مولانا شاہ عبدالحامد قادری بدایونی کی ۴، مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی کی ۲، مولانا محمد عبدالہادی قادری بدایونی کی ۴؍تصانیف شایع کر چکی ہے۔ ان کے علاوہ علامہ محبّ احمد قادری بدایونی، مفتی حبیب الرحمٰن مقتدری بدایونی، مفتی ابراہیم قادری بدایونی وغیرہ کی دو دو تصانیف اور سلالۂ خانوادۂ برکاتیہ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری، حافظ بخاری سید شاہ عبدالصمد سہسوانی، مولانا محی الدین عثمانی بدایونی، مولانا انوار الحق عثمانی بدایونی، مفتی حسین احمد مقتدری بدایونی، مولانا عبدالرحیم مقتدری بدایونی وغیرہ کی بھی ایک ایک تصنیف شایع ہوئی ہے۔

لسانی اعتبار سے اگر مطبوعات کی تقسیم کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ۷۱؍کتابیں اردو میں، ۱۸؍ہندی میں، ۴؍انگلش میں، ۳؍گجراتی میں، ۲؍مراٹھی میں، ایک عربی اور ایک فارسی کتاب اکیڈمی نے شایع کی ہے۔

تاج الفحول اکیڈمی کی ان مطبوعات کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ محض ایک اشاعتی ادارہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک علمی اور تحقیقی ادارہ ہے جو صرف کتابوں کی اشاعت ہی نہیں کرتا بلکہ تصنیف وتالیف، ترجمہ وتحقیق اور ترتیب وتسہیل کا کام بھی بہت عمدگی اور سلیقے سے انجام دے رہا ہے، جہاں تک ترجمے کا سوال ہے تو اکیڈمی کے زیر اہتمام ۷رعربی اور ۶رفارسی کتابوں کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے اور ۳۰رسے زیادہ کتابوں کو تخریج وتحقیق اور ترتیب وتسہیل سے آراستہ کر کے شایع کیا گیا ہے-ترجمہ، تحقیق، تخریج اور ترتیب وتسہیل کے یہ سارے کام خود مولانا اسید الحق قادری یا ان کے زیر نگرانی مدرسہ قادریہ بدایوں کے اساتذہ وطلبہ نے انجام دیے ہیں اور انصاف کی بات یہ ہے کہ بہت سلیقے سے انجام دیے ہیں-

تاج الفحول اکیڈمی کی مطبوعات کے جائزے کے دوران میں نے تین باتیں خاص طور پر نوٹ کیں جو حسب ذیل ہیں:

(الف) ان مطبوعات میں زیادہ تر کتابیں مسلک اہل سنت کے دفاع اور فرقہائے باطلہ کے رد میں ہیں، یہ وہ کتابیں ہیں جو آج سے ڈیڑھ صدی اور ایک صدی قبل اکابر بدایوں نے تصنیف فرمائیں تھیں اور اب بالکل نایاب تھیں، اب ایک صدی کے بعد ان کتابوں کی دوبارہ شایان شان انداز میں اشاعت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ خانقاہ قادریہ اور مدرسہ قادریہ کے موجودہ ذمہ داران آج ایک صدی بعد بھی اپنے اسلاف واکابر کے عقیدہ ومسلک پر پوری مضبوطی اور تصلب کے ساتھ قائم ہیں- کچھ حضرات غلط فہمی کی بنیاد پر اور کچھ کرم فرما ذاتی پسند وناپسند کے منفی جذبے کے تحت بدایوں کے موجودہ ارباب حل وعقد کے عقیدہ ومسلک کے بارے میں افواہیں پھیلانے میں مصروف ہیں، انہیں ان ۱۰۰رکتابوں کو پڑھ کر اپنے اس رویے پر نظر ثانی کرنا چاہیے-

(ب) تاج الفحول اکیڈمی کی یہ مطبوعات دیکھ کر ایک خوش گوار احساس یہ بھی ہوتا ہے کہ ان کتابوں میں جماعت اہل سنت کے داخلی اختلافات و انتشار اور شخصی وذاتی مخالفت کے سلسلے میں کوئی تحریر یا مواد اشارتاً یا کنایتاً بھی موجود نہیں ہے، قدیم کتابوں کے انتخاب اور اشاعت جدید کے سلسلے میں بھی غالباً اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ کوئی ایسی کتاب یا رسالہ شایع نہ کیا جائے جو اہل سنت کے اندرونی اختلافات سے متعلق ہو، یہ مثبت اور خالص تعمیری رویہ ایسے وقت میں اختیار کیا گیا ہے کہ جب بعض حضرات کی جانب سے آج سے ایک صدی پہلے کا اختلافی لٹریچر دوبارہ شایع کرنے کی مہم کا آغاز کیا جا چکا ہے، جو نہ صرف یہ کہ علمائے اہل سنت کے قدیم فروعی اختلافات کو منظر عام پر لا کر جماعت میں از سر نو اختلاف وانتشار پیدا کرنے کی سازش ہے بلکہ اکابر اہل سنت کی جانب سے موجودہ نسل کو بدظن کرنے کی ایک شعوری کوشش بھی-

اس کے علاوہ خود مولانا اسید الحق کی بعض تحریرات کے رد وابطال میں غیر علمی، غیر سنجیدہ اور جذباتی مضامین اور کتابچوں کی اشاعت کا بازار بھی گرم ہے، ایسے حوصلہ شکن ماحول میں بھی مدرسہ قادریہ صبر وضبط اور تحمل وبرداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے غیر ضروری اور بے نتیجہ بحث ومباحثے میں اپنا دامن الجھائے بغیر پوری توجہ سے اپنے تحقیقی اور اشاعتی کام میں مصروف ہے- مدرسہ قادریہ کی یہ روش قابل ستائش بھی ہے، لائق تقلید بھی اور اس وقت جماعت کی ضرورت بھی-

(ج) ان کتابوں کے ترجمہ وتخریج اور ترتیب وتسہیل کا یہ کارنامہ مولانا اسید الحق قادری اور ان کے مدرسے کے اساتذہ وطلبہ نے انجام دیا ہے، جن میں مولانا دلشاد احمد قادری، مولانا مجاہد قادری، مولانا عاصم اقبال قادری مجیدی، مولانا خالد قادری مجیدی اور مولانا عبد العلیم قادری مجیدی شامل ہیں- اس کو دیکھ کر اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مولانا اسید الحق قادری نے چند برس پہلے مدرسہ قادریہ کی نشاۃ ثانیہ کرتے ہوئے جو علمی اور تحقیقی ماحول بنایا تھا اس کے نتیجے میں وہ آج اپنی ایک ٹیم بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں، جس کا ہر فرد مولانا کے زیر تربیت ونگرانی علمی وتحقیقی کاموں کی صلاحیت سے آراستہ ہو کر علمی کاموں میں ان کا دست وبازو بن گیا ہے- گویا اب مدرسہ قادریہ بدایوں علم وتحقیق کے میدان میں خود کفیل ہو چکا ہے-

جنہیں جذب عشق پہ ناز تھا وہ کھڑے ہیں راہ گزار پر
جو شکستہ دل تھے شکستہ پا وہ پہنچ گئے درِ یار پر

اس کارنامے پر میں صمیم قلب سے مدرسہ قادریہ کے تمام ارباب حل وعقد کو مبارک باد پیش کرتا ہوں- امید کی جاتی ہے کہ مستقبل میں مدرسہ قادریہ کے اساتذہ اور طلبہ کی یہ ٹیم اپنے اسلاف کی طرح فعال اور متحرک ہو کر دین وسنیت کی عظیم الشان خدمات انجام دے گی-

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اکیڈمی کی ان سو(۱۰۰)مطبوعات میں سے زیادہ تر کتابیں خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کی ویب سائٹ (www.qadri.in/books)پر موجود ہیں، جوآن لائن پڑھی بھی جاسکتی ہیں اوران کوڈاؤن لوڈ بھی کیا جاسکتا ہے-تاج الفحول اکیڈمی کی جانب سے سو(۱۰۰)کتابوں کی اشاعت پرایک خوبصورت فولڈرشایع کیا گیا ہے جس میں سو(۱۰۰)مطبوعات کی مکمل فہرست ہے،اس کے بیک ٹائٹل پرمولانا اسید الحق کی ایک مختصر تحریر ہے،مولانا لکھتے ہیں:

''عرس صد سالہ کے موقع پر تاج الفحول اکیڈمی اپنے اشاعتی سفر کی سو(۱۰۰)منزلیں مکمل کررہی ہے،مگر یہ کاروان شوق کی منزل مقصود نہیں بلکہ صرف ایک سنگ میل ہے،جہاں سے حوصلہ تازہ اورعزم جواں کے ساتھ ایک نئے سفر کا آغاز کیا جارہا ہے-''

پاکستان میں اسلاف شناسی کی تحریک: پاکستان میں دین ومسلک کا درد رکھنے والے چند تعلیم یافتہ اورمخلص نوجوانوں خصوصاً محترم محمد ثاقب رضا قادری،رضاءالحسن قادری،مفتی حسین عطاری اورمیثم عباس صاحب اوران کے احباب نے کسی تجربہ کار عالم دین اورادارے کے تعاون کے بغیر''تحریک اسلاف شناسی''کے تحت باقاعدہ کام کا آغاز کیا-ان حضرات کا بنیادی مقصد ہے اسلاف کے علمی ذخیرے کی حفاظت کرنا،اس کی جدید اشاعت کی کوشش کرنااوراسلاف کی کتابوں کے قدیم نسخوں کوانٹرنیٹ پرمحفوظ کرنا تاکہ جدید اشاعت میں ہونے والی غلطیوں یاتحریف کی تصحیح قدیم نسخوں سے کی جاسکےاور اگران تمام قدیم نسخوں کی جدید اشاعت ممکن نہ ہوتوانھیں حاصل کرکے انٹرنیٹ پرمحفوظ کیا جائے تاکہ وہ دنیا کے تمام محققین کے لیے دستیاب ہو-اس ضمن میں اب تک جوکام ہوئے یاہورہے ہیں،ان کی تفصیل اس طرح ہے:

(الف) مولانا شاہ سلامت اللہ رام پوری،مولانا سید دیدارعلی شاہ محدث الوری،محدث اعظم پاکستان مولانا سرداراحمد،مولانا کرم الدین دبیر،مفتی احمد یار خاں نعیمی اوردیگرعلما کی کتب جمع کرلی گئی ہیں اوران میں سے بیشتر آن لائن ہوگئی ہیں،جو www.nafseislam.com پر پڑھی اورڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہیں-

(ب) ''ختم نبوت''کے موضوع پراسلاف کی سیکڑوں کتابوں اوررسائل کا مجموعہ ۱۴؍جلدوں میں شائع ہوچکا ہے-یہ جلدیں ہزاروں صفحات پرپھیلی ہوئی ہیں،جونیٹ پربھی دستیاب ہیں-

(ج) ''میلاد''کے موضوع پراسلاف کے درجنوں رسائل پرمشتمل ۱۰؍مجموعے شائع کیے جاچکے ہیں-

(د) ''ایمان والدین مصطفیٰ''کے موضوع پراسلاف کے تقریباً ۱۰؍رسائل کا مجموعہ شائع ہوچکا ہے-

(ہ) محترم ثاقب رضا قادری نے مولانا حسن رضا خاں بریلوی کے مختلف شعری مجموعے مثلاً ذوق نعت،ثمرفصاحت،صمصام حسن بردابرفتن،قند پارسی اوروسائل بخشش کوبڑی محنت سے یکجا کرکے''کلیات حسن''اوران کے تمام نثری رسائل وکتب کا مجموعہ بنام،،رسائل حسن''نئی ترتیب وتہذیب کے ساتھ شائع کیا ہے-ہندوستان میں یہ دونوں شعری اورنثری مجموعے رضا اکیڈمی ممبئی نے شائع کردیا ہے-

(و) اب ثاقب صاحب قطب لاہورمولانا غلام قادر بھیروی(ف:۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء)مولانا غلام دستگیرقصوری(ف:۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء)اورمفتی غلام سرور لاہوری(ف:۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء)کی تمام کتب ورسائل اورشعری مجموعوں کوبڑی محنت اورجستجو سے مرتب کررہے ہیں،جو''رسائل بھیروی''''رسائل قصوری''اور''کلیات سروری''کے نام سے جلدہی منظرعام پرآئیں گے-

(ز) محترم رضاءالحسن قادری نے امام نعت گویاں مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی کا شعری سرمایہ بنام''کلیات کافی''مرتب کرلیا ہے اوراسے شائع کرنے جارہے ہیں-

(ح) رضاءالحسن صاحب حضرت امیرمعاویہ پراسلاف کے پانچ رسائل کا مجموعہ،''روض الموجود''ازعلامہ فضل حق خیرآبادی اورراقم کی کتاب''علامہ فضل حق خیرآبادی:چندعنوانات''بھی شائع کرچکے ہیں-اس کے علاوہ''رسائل خیرالدین خیوری اور''رسائل کرم الدین دبیر''کی اشاعت جدید کے لیے کوشش کررہے ہیں-

(و) مفتی حسین عطاری بھی مفتی گوہرعلوی اورقاضی ارشادالہی نقش بندی کے رسائل کا مجموعہ مرتب کررہے ہیں-

بڑی بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر نوجوان نہ کسی دینی درس گاہ سے وابستہ ہیں، نہ خطابت و امامت ،تصنیف و تالیف یا علم و تحقیق کے شعبے سے، بلکہ اپنی معیشت کے لیے مختلف کمپنیوں اور اداروں میں جاب کررہے ہیں، اس کے باوجود دین و مسلک کے ارتقا کے لیے، ان کی لگن، اسلاف کے ذخیرۂ علمی کی تلاش و جستجو کا جنون، ان کی ترتیب و اشاعت کا سلیقہ اور اپنے اسلاف کے علمی و دینی کارناموں کو دنیا سے متعارف کرانے کا جذبہ، قابل رشک بھی ہے اور قابل تقلید بھی-

امام اعظم سیمینار و کانفرنس اور فقہ حنفی سے متعلق اہم کتابوں کی اشاعت: اپنے ابتدا سے ہی متحدہ ہندوستان کے مسلمان مقلد رہے ہیں اور ان کی غالب اکثریت حنفی المسلک رہی ہے-۱۸۳۲ء کے بعد مذہبی و مسلکی آزادروی کا دور شروع ہوا،لیکن علما کی مشترکہ جدوجہد کے نتیجے میں غیر مقلدیت کو ہندوستان میں بہت زیادہ پنپنے کا موقع نہیں مل سکا-تاہم سعودیہ عربیہ کے مالی تعاون، دنیا کے بدلتے سیاسی حالات اور ابلاغ کے نئے ذرائع نے اب اس مسلک کو ہندوستان میں پھیلنے کا زیادہ موقع فراہم کردیا ہے-اس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ صرف مذہبی آزاد خیالی کا سبق ہی نہیں پڑھاتا بلکہ اسلام کی انسانی اور اخلاقی رواداری کے بالمقابل امت مسلمہ کو مذہبی، سیاسی اور سماجی تشدد پر آمادہ بھی کرتا ہے، اسلاف سے ہمارے مستحکم ذہنی ،فکری اور اعتقادی ارتباط کو ختم کرنے پر اکساتا ہے اور اجتہاد کے ذریعے ماوشما کو دین پر جری ہونے کی دعوت بھی دیتا ہے-ایسے میں اسلام کا اپنے تمام تر روحانی، اخلاقی اور دینی اسپرٹ کے ساتھ باقی رہ جانا ممکن نہیں-دلچسپ بات یہ ہے کہ اپنے مسلک کی اشاعت میں ان کے ذریعے عوام و خواص اور طلبہ و اساتذہ میں جو لٹریچر مفت تقسیم کیا جاتا ہے، اس میں بیک وقت انتشار امت پر مرثیہ خوانی بھی ہوتی ہے، اتحاد کی آرزو بھی ہوتی ہے اور ائمہ مجتہدین کی توہین و تذلیل اور عامۃ المسلمین کی تکفیر بھی-ان کے اس رویے سے امت کی مذہبی، ملی اور سیاسی وحدت پارہ پارہ ہورہی ہے-ملت اسلامیہ کو مذکورہ افکار سے دور رکھنا، آج سب سے اہم مسئلہ ہے-اسی جذبے کے تحت ۲۰۰۷ء میں ہم نے ماہنامہ ''جام نور'' کا ایک ضخیم خصوصی شمارہ ''اجتہاد و تقلید نمبر'' نکالا تھا، جس کی ہزاروں کاپیاں ہندوپاک سے شائع ہوکر تقسیم کی گئیں-لیکن ایک خصوصی شمارہ، ایک سیمینار، ایک کانفرنس یا چند کتابوں کے ذریعے مداہنت فی الدین کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب پر بندھ نہیں باندھا جاسکتا-یہ کام تسلسل اور استقلال کا متقاضی ہے-

اس خیال کے پیش نظر تحریک جماعت اہل سنت اور خانقاہ ایوبیہ کشی نگر (یوپی) کے زیر اہتمام مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کی تحریک و قیادت میں ۲۱،۲۲،۲۳ دسمبر ۲۰۱۲ء کو ممبئی میں تین روزہ امام اعظم ابوحنیفہ نیشنل سیمینار اور کانفرنس کا انعقاد کیا گیا-اس کی سرپرستی امین ملت حضرت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی سجادہ نشین خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ،صدارت مولانا محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور جب کہ حمایت مفتی نظام الدین رضوی صدر شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے فرمائی-اس سیمینار و کانفرنس میں متعدد مفتیان کرام اور اسکالرس نے شرکت کی-اس تین روزہ پروگرام کے دوران مولانا قمرالزماں اعظمی (لندن) کی صدارت میں علما اور خواص کی ایک اہم نشست بھی ہوئی، جس میں اس بات پر غور وفکر کیا گیا کہ عوامی اور علمی ہر دو سطح پر اس طوفان کو کیسے روکا جائے، اس سلسلے میں اہل علم کی بہت سی تجاویز سامنے آئیں، جن کے عملی نفاذ کی تدبیریں کی جارہی ہیں-اس موقع پر امام اعظم اور فقہ حنفی سے متعلق حسب ذیل ۹/جدید وقدیم کتابوں کی اشاعت بھی ہوئی: جواہر البیان ترجمہ الخیرات الحسان ،مذاہب اربعہ میں فقہ حنفی کی جامعیت ،فقہ حنفی کتاب وسنت کی روشنی میں، امام اعظم امام المحدثین، امام اعظم اور علم حدیث، حالات فقہا و محدثین، تحقیق التراویح اور Imam-e-Aazam & Knowledge of Hadees، جن کی رسم اجرا حضرت امین ملت کے ہاتھوں ہوئی-

''تحریک اسلاف شناسی'' کے تحت مذکورہ سیمینار و کانفرنس کو کامیاب بنانے میں حافظ محمد سبطین رضا قادری ایوبی کے ساتھ مولانا محمد ظفرالدین برکاتی، مدیر مسئول ماہنامہ ''کنزالایمان'' دہلی ،محمد مولانا ارشاد عالم نعمانی، مدیر معاون ''ماہنامہ ''ماہ نور'' دہلی اور ان کے نوجوان رفقا نے جس عزم، ولولے اور محنت کا مظاہرہ کیا ہے، وہ مثالی ہے-

اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ۲۴/مارچ ۲۰۱۳ء میں اہل سنت کے دو اہم ادارے دارالعلوم وارثیہ اور دارالعلوم حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ کی مشترکہ کوششوں اور تعاون سے بارہ دری، قیصر باغ لکھنؤ میں امین ملت حضرت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی کی سرپرستی میں وسیع پیمانے پر ''امام اعظم کانفرنس و سیمینار'' ہونے جارہا ہے، جب کہ ''بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی سیمینار و کانفرنس'' اس کے بعد کیا جائے گا-

اسلاف شناسی میں ''جام نور'' اور ''ماہ نور'' کا ایک قدم: تحریک اسلاف شناسی کے تحت ہم نے جون ۲۰۱۱ء سے ماہنامہ جام نور کے ہر شمارے کو اپنے اسلاف میں سے کسی ایک اہم علمی و دینی شخصیت کے نام منسوب کرتے ہوئے ان کا بھر پور تعارف اور خدمات کو پیش کرنا شروع کیا ہے- ان میں صاحب تصانیف کثیرہ مولانا حیدر علی فیض آبادی، مناظر اسلام مولانا غلام دستگیر قصوری، سید المعقولین مولانا سید برکات احمد ٹونکی، امام وقت مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلی، علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری، قطب لاہور مولانا غلام قادر بھیروی جیسی عظیم شخصیتیں بھی شامل تھیں، جن کا باضابطہ تعارف پہلی بار عام قارئین کے سامنے آیا- اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی مدیر اعزازی اور مولانا ارشاد عالم نعمانی مدیر معاون ماہنامہ ''ماہ نور'' دہلی نے اپنے رسالے میں ''تحریک اسلاف شناسی'' کے عنوان سے اب ایک نیا کالم شروع کیا ہے، جس میں تعارفِ مشاہیر اسلاف کے زریں سلسلے کو آگے بڑھایا جائے گا- اسی طرح انھوں نے سال ۲۰۱۳ء میں اپنے رسالے کو ''تحفظ ختم نبوت'' سے بھی منسوب کیا ہے، جس کے تحت اسلاف اور اہل علم کے مضامین کا سلسلہ جاری رہے گا-

امام اہل سنت، محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نیشنل سیمینار و کانفرنس اور جام نور کا ضخیم علمی و تحقیقی نمبر: امام اہل سنت، محقق علی الاطلاق، محدث کبیر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی گیارہویں صدی ہجری کی ایک تاریخ ساز اور عبقری شخصیت کا نام ہے- ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت، دین کی احیا و تجدید اور اسلامیان ہند کی امامت و رہنمائی آپ کے اہم کارنامے ہیں- بقول مؤرخین: ''گیارہویں صدی ہجری کے شروع سے تیرہویں صدی ہجری کے اخیر تک تقریباً تین سو برسوں میں جتنی بھی کتابیں علم حدیث پر لکھی گئیں یا جو کچھ بھی کام ہوا وہ سب کے سب شیخ محدث کا فیضان اور ان کی مساعی کا نتیجہ تھا-'' لیکن ہماری غفلت اور کوتاہی نے اپنے محسن کے لازوال کارناموں پر پردہ ڈال دیا ہے- سواد اعظم کی ترجمانی کا دعویٰ کرنے والے ہم اس بات پر جتنا بھی افسوس کریں، کم ہے، کہ علم کلام و عقائد، تفسیر، سیرت، حدیث، فقہ، تاریخ اور تصوف پر حضرت شیخ محدث کی درجنوں کتابیں مخطوطے کی شکل میں تقریباً پچھلے چار سو برسوں سے اشاعت کی منتظر ہیں-

اس خیال کے پیش نظر نوجوان عالم و خطیب مولانا سید عالم گیر اشرف، محبِّ محترم مولانا اسید الحق قادری اور راقم کی تحریک پر سیرت کمیٹی رائے پور (چھتیس گڑھ) نے شیخ محدث پر ایک نیشنل سیمینار اور سواد اعظم کانفرنس کرنے اور اس موقع پر جام نور کا ایک ضخیم علمی، تحقیقی اور خصوصی شمارہ بنام ''شیخ محدث نمبر'' نکالنے کا ارادہ کیا، تاکہ ان کی حیات و کارنامے دنیا کے سامنے آسکیں، محققین کو شیخ محدث پر کام کرنے کی تحریک مل سکے اور انھیں مضبوط بنیاد فراہم ہو سکے- اس سیمینار و کانفرنس کا انعقاد مارچ ۲۰۱۳ء میں ہونے جارہا ہے، جس میں ہندوستان کے نامور علما و مشائخ اور عصری دانش گاہوں کے مشاہیر شرکت کر رہے ہیں- سیمینار و کانفرنس اور جام نور کے ''شیخ محدث نمبر'' کی تیاریاں زوروں پر چل رہی ہیں-

سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کنونشن: بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری میں علم و فضل اور دینی خدمات کے حوالے سے مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ف: ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کا خاندان ممتاز رہا ہے- شاہ صاحب کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادوں شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی نے اپنے والد کی علمی وراثت کو اس قدر عروج بخشا کہ ''خانوادۂ ولی اللہی'' علم و فضل اور اشاعت دین کا استعارہ بن گیا- بارہویں صدی ہجری کے بعد علم حدیث اور منقولات کے اکثر خوشہ چینوں کا شجرۂ تلمذ اسی دبستان علم و فن سے استوار ہوتا ہے- اس خانوادے میں سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف: ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء) کی حیثیت نمایاں تھی، جنھوں نے درس و تدریس، رشد و ہدایت، فقہ و افتا اور تحریر و قلم کے ذریعے سواد اعظم کی ترجمانی کی- پچھلی ایک صدی سے اہل سنت و جماعت نے اس خانوادے سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا، جس کی وجہ سے وہ مکاتب فکر جو شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادوں کے مسلک و منہاج پر نہیں تھے، وہ اپنے آپ کو ''ولی اللہی'' کہنے اور کہلانے لگے، جس سے علمی، دینی مسلکی اور تاریخی سطح پر ہمیں سخت نقصانات کا سامنا کرنا پڑا-

خانوادۂ ولی اللہی کے مذکورہ نمائندہ علما سے اسی ٹوٹی کڑی کو پھر سے جوڑنے کے لیے خانقاہ قادریہ، بدایوں نے ''شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کنونشن'' کرنے کا فیصلہ کیا ہے- توقع ہے کہ جلد ہی یہ کنونشن دہلی یا علی گڑھ میں ہوگا- اس موقع پر ۶۰۰ رسو سے زائد صفحات پر مشتمل مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کی علمی اور تاریخی مواد سے بھرپور، فکر انگیز کتاب ''سواد اعظم اور سلسلۂ ولی اللہی'' اور ایک ہزار صفحات پر دو جلدوں میں راقم کی مرتب کردہ

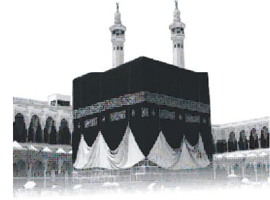
کتاب ''تذکرۂ علمائے سواداعظم'' منظر عام پر آئے گی- اس سلسلے میں حال ہی میں اسلاف کی سماجی اور سیاسی خدمات پر مبنی مصباحی صاحب کی کتاب ''علمائے اہل سنت کی بصیرت وقیادت'' بھی شائع ہوئی ہے، جس کی حیثیت ایک تاریخی دستاویز کی ہے-

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ کی اسلاف شناسی: خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ہندوپاک میں سلسلۂ قادریہ کی قدیم اور مرکزی خانقاہ ہے- ساڑھے پانچ سو برسوں سے یہ خانقاہ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کی کامیاب سرپرستی اور رہنمائی کررہی ہے- دین ومسلک اور ملت کے لیے اس کی جدوجہد، شیرازہ بندی، علمانوازی، مذہبی وعصری اداروں اور تحریکوں کی علمی، فکری اور مالی سرپرستی، غریب پروری، خراب حالوں کی دستگیری اور صلاحیت شناسی غیر معمولی ہے- دراصل ایک خانقاہ انھی عناصر سے تشکیل پاتی ہے اور پھر مرجع خلائق بن جاتی ہے- خانقاہ کے موجودہ سجادہ نشین حضرت امین ملت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی اور رفیق ملت حضرت سید شاہ محمد نجیب حیدر قادری نے اپنے عظیم المرتبت اسلاف کی روحانی، فکری، علمی اور خانقاہی امانتوں اور مذکورہ روایتوں کی جس طرح آب یاری کی ہے، اس کی مثال عنقا ہے- اس وقت خانقاہ برکاتیہ ''تحریک اسلاف شناسی'' کی نہ صرف سرپرستی کررہی ہے، بلکہ اپنی عملی خدمات بھی پیش کررہی ہے- چناںچہ پچھلے کئی برسوں سے خانقاہ کے علمی وروحانی ترجمان سالنامہ ''اہل سنت کی آواز'' کے سیکڑوں صفحات پر مشتمل ایسے ضخیم شمارے منظر عام پر آئے، جن میں اپنے اسلاف کے تعارف اور کارناموں کو نمایاں حیثیت سے پیش کیا گیا- ان میں خصوصی طور پر خواجہ غریب نواز نمبر، غوث اعظم نمبر، اکابر مارہرہ نمبر (۲/جلد) عشرۂ مبشرہ نمبر قابل ذکر ہیں-

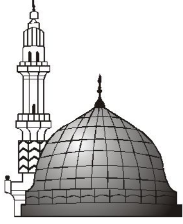
خانقاہ شیخ العالم کی اسلاف شناسی: شیخ العالم حضرت شاہ احمد عبدالحق مخدوم ردولوی (ف:۸۳۷ھ/۱۴۳۴ء) کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں ہے، آپ کے ہاتھ سے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کو جو فروغ حاصل ہوا، اس کی وجہ سے آپ کو مجدد سلسلۂ صابریہ کہا جاتا ہے، آپ کی خانقاہ کل بھی مرجع خلائق تھی اور آج بھی وہاں سے دینی، علمی اور روحانی فیض جاری ہے- اس ساڑھے چھ سو سالہ قدیم روحانی مرکز کے موجودہ صاحب سجادہ حضرت شاہ عمار احمد احمدی عرف نیر میاں صاحب اپنے اسلاف کی روحانی وراثتوں کا حق ادا کررہے ہیں- آپ نے خانقاہ میں تعمیری، تعلیمی اور اصلاحی منصوبوں کے ساتھ اسلاف کے علمی ذخیرے کو نئی ترتیب اور تخریج کے ساتھ شائع کرانے کا سلسلہ شروع کیا ہے- اس کام میں آپ کے ادارے ''جامعہ چشتیہ'' کے اساتذہ بڑی تندہی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، جس کے تحت اب تک مندرجہ ذیل کتابیں منظر عام پر آگئیں ہیں: تنویر الصحیفہ فی تابعیۃ ابی حنیفہ، اثبات علم غیب مصطفیٰ ﷺ'' از مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلی ''حیات شیخ العالم'' از: شاہ مبین احمد فاروقی، رحلۃ المسکین، ضیاء الابصار، سبیل السلام از: مولانا محمد حسین فاروقی- ان کے علاوہ علمائے فرنگی محل کی کئی اہم کتابیں اشاعت پذیر ہیں-

طلبۂ جامعہ اشرفیہ کی اسلاف شناسی: برصغیر ہندوپاک میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی حیثیت ''مرکز علم'' کی ہے- جامعہ اشرفیہ نے اپنے قیام سے لے کر اب تک ہر دور میں تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ، درس وتدریس اور فقہ وافتا میں نمایاں کردار ادا کرتے ہوئے سواد اعظم اہل سنت کی مستحکم قیادت اور نمائندگی کی ہے- جامعہ کا یہ اختصاص اس کے قابل اساتذہ، عمدہ تعلیمی نظام، علمی، فکری اور قلمی تربیت اور وسعت فکر ونظر کی وجہ سے ہے- یہی سبب ہے کہ زمانۂ طالب علمی سے ہی فرزندان اشرفیہ نے اہل سنت کی ہر مؤثر علمی، دینی اور فکری تحریک کا نہ صرف استقبال کیا ہے، بلکہ اس کو کامیاب بنانے میں اپنی نمایاں خدمات بھی پیش کی ہے- اس سلسلے میں اسلاف شناسی کے تحت پچھلے کئی برسوں سے جامعہ کے منتہی درجے کے طلبہ نے اپنے ذاتی پیسوں سے ہر سال نئی ترتیب وتہذیب کے ساتھ اسلاف کی کتابوں کو شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، جس کے تحت اب تک حسب ذیل اہم علمی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں: انوار ساطعہ از: مولانا عبدالسمیع بیدل سہارن پوری، قادیانی مذہب از: الیاس برنی، تقدیس الوکیل از: مولانا غلام دستگیر قصوری لاہوری، انوار آفتاب صداقت از: قاضی فضل احمد لدھیانوی اور لمعات التنقیح از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی- جب کہ اس سال ''انتصار الحق'' از: مفتی ارشاد حسین مجددی رام پوری اشاعت کے مرحلے میں ہے-

آخری بات: اس تحریک کے علاوہ بھی اگر ہندوپاک میں اہل سنت کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو اکثر علمی وفکری شخصیات، خانقاہیں اور ادارے مذہب و مسلک اور ملت کے لیے مصروف کار نظر آئیں گے- سواد اعظم اہل سنت و جماعت کی ارتقا کے لیے یہ تمام سرگرمیاں خوش آئند بھی ہیں اور تابناک مستقبل کی علامت بھی- ❑❑



منظومات



نعت پاک

زندگی کا ہر لمحہ عازمِ مدینہ ہے
دیدۂ بصیرت میں علم کا خزینہ ہے
ہر گھڑی نگاہوں میں گلشنِ مدینہ ہے
دل کی ناخدائی میں ذہن کا سفینہ ہے
سرورِ دوعالم کی رفعتیں خدا جانے
شاہِ دیں کے قدموں میں آسماں کا زینہ ہے
بارگاہِ اقدس میں نعتِ پاک کا تحفہ
عقل کا تقاضہ ہے، عشق کا قرینہ ہے
آپ کی عنایت سے عطر بیز ہے گلشن
مشک سے کہیں بہتر آپ کا پسینہ ہے
بس گیا ہے آنکھوں میں جلوۂ رُخِ زیبا
نور پاک سے روشن دل کا آبگینہ ہے
مشعلِ ہدایت ہے حرفِ حق محمد کا
قولِ احمدِ مرسل زرفشاں دفینہ ہے
جب دلِ مطہر پر آیتیں ہوئیں نازل
وہ نزولِ قرآں کا معتبر مہینہ ہے
نازؔ کا مقدر ہے مدحتِ شہِ بطحا
دامنِ عقیدت میں فکر کا نگینہ ہے

ناز قادری
چرچ روڈ، چندوارہ، مظفر پور–842001

نعت پاک

کیا حضور نے روشن محبتوں کا چراغ
نہ بجھ سکے گا جہاں سے اخوتوں کا چراغ

اسے تو سورۂ اقرا کا فیض ہی کہیے
جہان بھر سے ہوا گل جہالتوں کا چراغ

وہاں غموں کا اندھیرا، ارے معاذ اللہ
ہے ہر قدم پہ فروزاں مسرتوں کا چراغ

مرے رسول کی نسبت جسے ہوئی حاصل
نہ بجھ سکے گا کبھی اس کی عظمتوں کا چراغ

عجب طرح سے اندھیروں نے خودکشی کرلی
ہوا جو مکّے میں روشن ہدایتوں کا چراغ

اسے سمجھتا ہوں سامانِ آخرت گوہرؔ
ہے میرے لب پہ جو روشن یہ مدحتوں کا چراغ

محبوب عالم گوہرؔ
اسلام پور، سیتامڑھی–843333

مولانا محمد امجد رضا علیمی☆

بچوں کی تعلیم وتربیت—تدابیروطریقۂ کار

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔حیاتِ انسانی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جس کی رہنمائی کے سلسلے میں اسلام کی واضح،روشن اور قابلِ عمل ہدایات موجود نہ ہوں۔ پیدائش سے لے کر موت تک زندگی کے جملہ گوشوں کی رہنمائی اسلام کا ایک طرۂ امتیاز ہے کہ دنیا کا کوئی آسمانی مذہب یا انسانی ذہن وفکر کا اختراع کردہ نظام اس کا سہیم وشریک نہیں ہے۔

انسانی تربیت سازی کے ضمن میں سب سے اہم مرحلہ بچوں کی اسلامی تربیت اور ان کی بنیادی نگہداشت کا ہے جس کی ذمہ داری سب سے زیادہ والدین پر عائد ہوتی ہے۔

بچوں کی اسلامی تربیت سے چشم پوشی نہ صرف یہ کہ ایک معاشرتی اور اخلاقی جرم ہے بلکہ خود ان کے اور ان سے متعلق قوم وملک کے مستقبل کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی تربیت کو عبادت اور ان کو ایک کلمۂ خیر سکھادینے کو صدقہ سے زیادہ بہتر قرار دیا ہے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے:

یٰٓ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَاراً وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَۃُ عَلَیْھَا مَلآئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَایَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَااَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَایُؤْمَرُوْنَ.

ترجمہ:اے ایمان والو!تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو اور سخت مزاج ہیں۔نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انھیں حکم دیا ہے اور فوراً بجالاتے ہیں جو ارشاد انھیں فرمایا جاتا ہے۔

جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ذمہ داریوں کے احساس سے بہت متاثر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ! اپنے آپ کو دوزخ سے بچانے کا مفہوم تو سمجھ میں آ گیا مگر ہم اہل وعیال کو کیسے آتش جہنم سے بچاسکتے ہیں؟ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جن چیزوں سے خدا نے تمھیں روکا ہے تم اپنے اہل وعیال کو ان سے روکو اور جن کاموں کو انجام دینے کا حکم فرمایا ہے۔تم اپنے اہل وعیال کو اس کا حکم دو۔

آج کے ماحول میں بچوں سے بے اعتنائی بڑھتی جارہی ہے۔حصولِ سرمایہ کی تلاش میں انسان اس قدر سرگرداں ہے کہ وہ بچوں کے بارے میں سوچنے تک کی زحمت گوارہ نہیں کررہا ہے۔بچے خودرو پودوں کی طرح معاشرے کے گلشن کو جنگل میں تبدیل کررہے ہیں۔بالخصوص مغربی ممالک میں بچے قانون اور امن کے لیے ہزاروں مسائل پیدا کررہے ہیں۔اس لیے ضرورت ہے کہ ان بچوں کی تربیت اسلامی اقدار کے مطابق کی جائے تاکہ وہ بڑے ہوکر ملک وقوم، خاندان ومعاشرہ اور خود اپنی ذات کے لیے مفید ثابت ہوسکیں۔

پیدائش سے قبل اولاد کے حقوق

اولاد کے وجود میں آنے سے قبل بھی کئی ذمہ داریاں ہیں جن کی نگہداشت سے اولاد کی صالحیت وابستہ ہوتی ہے۔اسلام میں رشتہ قائم کرنے اور نکاح کے لیے جوڑا تلاش کرتے وقت اسی لیے خداترس،نیک اور متقی بیوی کے انتخاب پر زور دیا گیا ہے۔کیونکہ نجیب خاندان کی پارسا خاتون اور شریف گھرانے کے نیک سیرت مرد کے ہی ذریعہ نیک اولادیں پیدا ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:عورت سے چار چیزوں کی بنیاد پر شادی کی جاتی ہے۔اس کے مال کی بنیاد پر،خاندانی شرافت کی بنیاد پر،اس کی خوبصورتی کی بنیاد پر اور اس کے دین داری(تقویٰ) کی بنیاد پر۔

ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

عورتوں سے ان کے حسن وجمال کی وجہ سے شادی نہ کرو ہوسکتا ہے ان کا حسن ان کو تباہ کردے۔اور نہ ان کے مال کی وجہ سے شادی کرو ممکن ہے مال ان کو سرکشی میں مبتلا کردے بلکہ شادی دین داری کی بنیاد پر کرو اور فرمایا سیاہ رنگ کی دیندار باندی افضل ہے۔

پیدائش کے بعد اولاد کے حقوق

اپنی اولاد کو علم دین سے مکمل طور سے آراستہ کرنا بے حد ضروری ہے لیکن آج دینی تعلیم کا رجحان نہ ہونے کے برابر ہے۔اپنے ہونہار بچوں کو دنیاوی علوم وفنون تو خوب سکھائے جاتے ہیں مگر علم دین سکھانے کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔اگر بچہ ذرا ذہین ہو تو اس کے والدین کے دل میں اسے ڈاکٹر،انجینئر،پروفیسر اور دیگر عصری اور ٹیکنیکل تعلیم دلانے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگتی ہے اور اس خواہش کی تکمیل کے لیے اس کی دینی تربیت سے منہ موڑ کر مغربی تہذیب کے نمائندہ اداروں کے مخلوط ماحول میں تعلیم دلوانے میں کوئی عار محسوس نہیں کی جاتی بلکہ اسے اعلیٰ تعلیم کی خاطر کفار کے حوالے کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔اور اگر بچہ کند ذہن ہے یا شرارتی ہے یا معذور ہے تو جان چھڑانے کے لیے اسے کسی

☆استاذ:الجامعۃ القادریہ دارالقلم،ذاکرنگر،نئی دہلی-۲۵

دارالعلوم یا دینی ادارے میں داخلہ دلا دیا جاتا ہے۔ بظاہر اس کی وجہ یہی نظر آتی ہے کہ والدین کی اکثریت کا مطمح نظر محض دنیاوی مال و جاہ ہوتی ہے، اُخروی مراتب کا حصول ان کے پیشِ نظر نہیں ہوتا۔ والدین کو چاہیے کہ پہلے اپنی اولاد کو ضروری دینی تعلیم دلوائیں، اسے کم از کم نماز، روزہ کے احکام اور دیگر فرائض و واجبات، حلال وحرام، خرید وفروخت، اجارہ، حقوق العباد وغیرہ کے احکام شرعی کی تعلیم پر توجہ مبذول رکھیں پھر دیگر عصری وفنّی تعلیم سے آراستہ کرائیں۔

اولاد کی تربیت:

گھریلو ماحول کا بچوں کی زندگی پر بہت اثر پڑتا ہے۔ گھر کے لوگ اگر نیک خو، شریف اور خوش گفتار ہوتے ہیں تو اس اثر سے بچے بھی لازماً خوش خلق، کشادہ مزاج اور میٹھی زبان لیتے ہیں۔ ادب اور سنجیدگی کی تعلیم بچوں کو صرف پڑھا کر نہیں دی جاتی بلکہ حرکتوں، باتوں، کھلونوں اور توجہات کو مبذول کرنے والی دیگر اشیا سے بھی بچوں کی ذہنی تربیت ہوتی ہے۔

عالم طفولیت ایک نرم و نازک مٹی کے تودے کی حیثیت رکھتا ہے، ماحول، تعلیم اطراف وجوانب اور قوتِ باصرہ، سامعہ، ذائقہ، لامسہ اور قوتِ عاقلہ کے ذریعے اس تودۂ خاک کو جو کچھ بھی میسر ہوجاتا ہے اسی لحاظ سے اس میں اچھے اور خراب جوہر پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت اسحاق سے منقول ہے کہ حضرت علی بچپن ہی سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مانوس تھے۔ ایک بار جب حضرت علی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئے تو انھوں نے دیکھا کہ حضور اقدس اور ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ابھی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے ہیں۔ حضرت علی نے پوچھا آپ لوگ یہ کیا کررہے تھے؟ حضور اقدس نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا دین ہے جسے اسی نے خود پسند فرمایا ہے، اور اس کی تبلیغ کے لیے پیغمبر بھیجے۔ لہٰذا ایسی تمھیں بھی اس اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، جو تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور تم کو اس کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں۔ اور لات وعزیٰ سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ حضرت علی نے فرمایا: یہ ایسی بات ہے کہ جسے میں نے اس سے قبل کبھی نہیں سنا۔ میں اپنے والد سے ذکر کیے بغیر اس سلسلے میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔

حضور اقدس کو حضرت علی کا یہ کہنا ناگوار محسوس ہوا۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اسلام کا اعلان کرنے سے پہلے ہی بات عام ہوجائے۔ آپ نے فرمایا: اے علی! اگر تم اسلام نہیں لاتے تو اس بات کو پوشیدہ رکھنا۔

حضرت علی اُس رات ایمان نہیں لائے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پر ایمان راسخ کردیا۔ اگلے روز صبح ہوتے ہی خدمت رسول میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: آپ نے کل مجھے کس چیز کی طرف بلایا تھا؟ آپ نے فرمایا: گواہی دو کہ اللہ صرف ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور لات وعزیٰ کا انکار کرو اور جن کو شریک خدا بتایا جاتا ہے ان سے بیزار ہوجاؤ۔ حضرت علی نے یہ سب باتیں قبول کیں، اقرار فرمایا اور اسلام لائے۔ اس کے بعد حضرت علی اپنے باپ ابوطالب سے چھپ چھپ کر حضور اقدس کے پاس آکر اسلام کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اسلام لانے کے وقت ان کی عمر شریف دس سال تھی۔

غور کیجیے کہ صحبتِ رسول کی برکت سے دس سال کے بچے نے علم وشعور کی کون کون سی منزلیں طے کی کہ 'باب مدینۃ العلم' بن گئے۔

بچوں کو دین کی طرف رغبت دلانا:

ایک مسلمان بچہ صرف ایک باپ کا بیٹا اور ماں کا نورِ نظر اور ایک خاندان کا ممبر ہی نہیں ہے، اُس سے بہت بلند ہوکر سب سے پہلے وہ خدائے واحد کا بندہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی اور اسلامی برادری کا ممبر ہے۔ اگر ماں باپ کی تعلیم وتربیت اور ادب آموزی اسے سچا عبداللہ، اچھا غلام رسول، اور صالح مسلمان نہ بنا سکی تو یاد رکھیے کہ زندگی کی کسی منزل میں وہ باپ کا فرماں بردار بیٹا اور ماں کا اطاعت شعار فرزند ہرگز نہیں بن سکتا۔ اس لیے مسلمانوں کو یاد کرنا چاہیے کہ اولاد کو اسلامی تعلیم وتربیت میں بے جا لاڈ پیار اور فضول آسائشیں جو اس کی احسن عادات کے رسوخ میں حائل ہوں سخت مضر اور نقصان دِہ ہے۔ قرآن مجید میں اولاد اور اموال کو فتنہ اسی لیے کہا گیا ہے کہ والدین کبھی ان کی خواہشات کی تکمیل میں وہ اقدامات کرگزرتے ہیں جو خود ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے باعث ہلاکت ہوتے ہیں:

ترمذی شریف میں حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسہ کو گود میں اٹھائے ہوئے تشریف لائے اور آپ فرمارہے تھے: تم ہی آدمی کو بخیل بناتے ہو، تم ہی آدمی کو بزدل بناتے ہو، تم ہی آدمی کو جہالت پر آمادہ کرتے ہو حالانکہ تم باغِ الٰہی کے پھول ہو۔

یہ اولاد کی محبت کے وہی جذبات ہیں جن پر دین وشریعت کا پہرہ نہیں ہے۔ والدین کی فطری محبت جو اولاد سے ان کے قلب میں راسخ ہوتی ہے اگر وہ قانونِ الٰہی کی گرفت سے آزاد ہو تو یہی اولاد اسے بخل، بزدلی اور جہالت کی راہوں پر ڈال سکتی ہے، اگر اسی محبت پر دین وشریعت کا پہرا لگا ہوا ہے، قوانین قرآنیہ کی بندش مضبوط ہو تو تعلیم وتربیت کے مراحل میں پیش آنے والی تکالیف دے کر والدین اپنی اولاد کو چمنستانِ قدرت کے پھول بنا سکتے ہیں۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک اعرابی اقرع بن حابس حاضر ہوئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین کو پیار فرمارہے تھے۔ جناب اقرع کو یہ بات عظمت ووقار کے خلاف معلوم ہوئی۔ انھوں نے کہا میرے دس بچے ہیں مگر میں نے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا

جاتا۔بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ پریشانی میں وہ شخص ہوگا جس کے اہل وعیال دین سے جاہل اور غافل ہوں گے۔ اور ایک حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت نازک کرے جو کہتا ہے کہ اے میری بیوی! اے میرے بچو! تمھاری نماز، تمھارا روزہ، تمھاری زکوۃ، تمھارا مسکین، تمھارے یتیم، تمھارے پڑوسی (یعنی اپنے وعیال کو نماز روزہ زکوٰۃ کی طرف توجہ دلاتا ہے اور مسکین، یتیم اور پڑوسی کا حق یاد دلاتا ہے) امید ہے کہ حق تعالیٰ ان سے اہل وعیال کو اس نصیحت کرنے والے مرد نیک کے ساتھ جنت میں جمع فرمائے گا۔

ارشادِ رسول ہے: جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہوجاتا ہے مگر تین قسم کے اعمال ایسے ہیں کہ ان کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ یا ایسا علم چھوڑ جائے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں یا نیک اولاد صالح اور نیک اولاد دنیا میں بھی سعادت مند رہتی ہے اور ماں باپ کا ادب واحترام قائم رکھ کر ان کی خدمت گزاری کرتی ہے اور والدین کے مرجانے کے بعد ان کے لیے ذخیرۂ آخرت بھی فراہم کرتی ہے۔ اس لیے اولاد کو صالح اور نیک پرہیزگار بنانے پر سب سے زیادہ توجہ دینی چاہیے۔

اولاد کے سن بلوغ تک پہنچنے کی ذمہ داری:

اولاد کے سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد ماں باپ کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ نیک اور صالح خاندان میں اس کا نکاح کریں۔ شادی کی عمر کو پہنچ جانے کے بعد بھی بلاوجہ نکاح میں تاخیر کرنا اور بٹھائے رکھنا معیوب ہے۔ ایسے اولاد سے اگر گناہ سرزد ہوجائے تو اس کا وبال سرپرستوں پر بھی عائد ہوتا ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اولاد سن بلوغ کو پہنچے تو اس کے نکاح کا انتظام کرے، اگر بالغ ہونے کے بعد بھی نکاح کا بندوبست نہیں کیا اور وہ حرام میں مبتلا ہوا تو اس کا باپ اس گناہ کا ذمہ دار ہوگا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی اس سلسلے میں کوتاہی برتنے والے مسلمانوں کے لیے تازیانۂ عبرت ہے۔ غریب ممالک کے مسلمانوں میں رسم ورواج کی بیجا زنجیروں نے مسلمانوں کو جکڑ رکھا ہے۔ جہیز اور تحفہ کے نام پر لڑکیوں کی زندگیاں برباد کی جاتی ہیں۔ مگر برا ہو رواجوں اور رسموں کے خونخوار عفریت کا جس نے توحید ورسالت کے شیدائی مسلمانوں کو بھی شکار بنا رکھا ہے۔ کاش ہر علاقہ اور ہر طبقہ کے مسلمان کمربستہ ہوکر اس بدعت شنیعہ کے خلاف اعلانِ جہاد کریں اور ان بری لعنتوں سے مسلمانوں کے ماحول کو پاک وصاف کرکے سنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشنی میں اپنی معاشرتی زندگی کو جنت نشان بنائیں۔

حضرت سیدنا شیخ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، لیکن آپ نے زہد وتقویٰ اختیار فرمایا ہوا تھا اور دنیاوی مشاغل سے بہت دور ہوچکے تھے۔ آپ کی ایک صاحبزادی تھی جو بہت حسین وجمیل اور نیک وپرہیزگار تھی۔ ایک دن اس صاحبزادی کے لیے بادشاہ کرمان نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ یہ پسند نہ فرماتے تھے کہ ملکہ بن کر میری بیٹی دنیا کی طرف مائل ہو۔ اس لیے آپ نے کہلا بھیجا کہ مجھے جواب کے لیے تین روز کی مہلت دیں۔ اس دوران آپ مسجد مسجد گھوم کر کسی صالح انسان کو تلاش کرنے لگے۔ دورانِ تلاش ایک لڑکے پر آپ کی نگاہ پڑی جس کے چہرے پر عبادت وپرہیزگاری کا نور چمک رہا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا تمھاری شادی ہوچکی ہے۔ اس نے نفی میں جواب دیا۔ پھر پوچھا کیا ایسی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتے ہو جو قرآن مجید پڑھتی ہے، نماز روزہ کی پابند ہے، خوبصورت، پاکباز اور نیک ہے؟ اس نے کہا میں تو ایک غریب شخص ہوں، بھلا مجھ سے ان صفات کی حامل لڑکی کا رشتہ کون کرے گا۔ آپ نے فرمایا میں کرتا ہوں، یہ درہم لو اور ایک درہم کی روٹی، ایک درہم کا سالن اور ایک درہم کی خوشبو خرید لاؤ۔

نوجوان وہ چیزیں لے آیا۔ آپ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح اس پارسا نوجوان کے ساتھ کردیا، صاحبزادی جب رخصت ہوکر شوہر کے گھر آئی تو اُس نے دیکھا کہ گھر میں پانی کی ایک صراحی کے سوا کچھ نہیں ہے اور اسی صراحی پر ایک روٹی رکھی ہوئی دیکھی۔ پوچھا یہ روٹی کیسی ہے؟ شوہر نے جواب دیا یہ کل کی باسی روٹی ہے، میں نے افطار کے لیے رکھ لی تھی۔ یہ سن کر صاحبزادی کہنے لگیں کہ مجھے میرے گھر چھوڑ آیئے۔ نوجوان نے کہا مجھے تو پہلے ہی اندیشہ تھا کہ شیخ کرمانی کی دُختر مجھ جیسے غریب انسان کے گھر نہیں رُک سکتی۔ صاحبزادی نے پلٹ کر کہا میں آپ کی مفلسی کے باعث نہیں لوٹ رہی ہوں بلکہ اس لیے لوٹ رہی ہوں کہ مجھے آپ کا توکل کمزور نظر آرہا ہے اس لیے مجھے اپنے والد پر حیرت ہے کہ انھوں نے آپ کو پاکیزہ خصلت، عفیف اور صالح کیسے کہا جب کہ آپ کا اللہ تعالیٰ پر بھروسے کا یہ حال ہے کہ روٹی بچا کر رکھتے ہیں۔ یہ باتیں سن کر نوجوان بہت متاثر ہوا اور ندامت کا اظہار کیا۔ صاحبزادی نے پھر کہا میں ایسے گھر میں نہیں رُک سکتی جہاں ایک وقت کی خوراک جمع کرکے رکھی ہو۔ اب یہاں میں رہوں گی یا روٹی یہ سن کر نوجوان فوراً باہر نکلا اور روٹی خیرات کردی۔

اس واقعہ سے وہ والدین درسِ عبرت حاصل کریں کہ جب ان کے سامنے کسی نیک وپرہیزگار اسلامی بھائی کا رشتہ پیش کیا جائے تو صرف اس وجہ سے انکار کردیتے ہیں کہ وہ باریش اور سنتوں کا عامل ہے جب کہ اس کے برعکس ایسے نوجوان کے رشتے کو ترجیح دینے میں خوشی محسوس کرتے ہیں جو اپنے برے اعمال سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرکے جہنم میں جانے کا سامان کررہا ہو اور جس کی صحبت ان کی بیٹی کو بھی خوف خدا سے بے نیاز اور اس کی عبادت سے غافل کردے گی۔ □□□

مولانا محمد مجاہد حسین حبیبی ☆

اللہ کے لیے دوستی ومحبت
احادیث رسول کی روشنی میں

آج کے زمانے میں اکثر لوگ آپسی رشتے یا کاروباری تعلقات یا دوستی کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ بہت ہی کم لوگ ہیں جو بلا کسی رشتے یا دوستی آپس میں صرف اللہ کے لیے محبت کرتے ہوں جبکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مبارکہ میں اللہ کے لیے آپس میں محبت کرنے والوں کو بڑی بشارتیں سنائی ہیں۔ ذیل کی حدیثوں سے آپ خود اس امر کی اہمیت وفضلیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو میری عزت وجلال کے سبب ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے؟ آج میں انھیں اپنے سایۂ قدرت میں جگہ دوں گا جبکہ میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں۔ (الترغیب والترہیب، ج ۳،ص:۲۴۰)

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب دو آدمی آپس میں اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں سے اس سے بھی زیادہ محبت فرماتا ہے جتنا ان میں کا ایک دوسرے سے محبت کرتا ہو۔

(الترغیب والترہیب ج ۳،ص:۲۴۰)

اسی مضمون کی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی کسی سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہے، تو وہ اس سے کہے کہ میں تم سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں تو وہ دونوں ایک ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔ ان میں سے اس آدمی کا مرتبہ زیادہ بلند ہوگا جو زیادہ محبت کرتا ہو۔ (الترغیب والترہیب، ج ۳،ص:۲۴۱)

(۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میری عزت وجلال کے سبب آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے والے کے لیے نور کے منبر ہوں گے جنھیں دیکھ کر انبیا اور شہدا رشک کر رہے ہوں گے۔'' (الترغیب والترہیب، ج ۳،ص:۲۴۱)

(۵) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آپ فرما رہے تھے: ''اللہ کے لیے آپس میں محبت کرنے والے اس دن عرش کے سائے میں ہوں گے جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی یہ سایہ نہ ہوگا اور ان کے مکان ومرتبے کو دیکھ کر انبیا اور شہدا رشک کریں گے۔'' (الترغیب والترہیب ج ۳،ص:۲۴۱)

(۶) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میری محبت ان لوگوں کے لیے لازم ہوگئی جو آپس میں میرے لیے محبت کرتے ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ۳،ص:۲۴۰)

(۷) حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بے شک میری محبت ان لوگوں کے لیے لازم ہو جاتی ہے جو آپس میں میری عزت وجلال کے سبب محبت کرتے ہوں اور بے شک میری محبت ان لوگوں کے لیے بھی لازم ہو جاتی ہے جو میری عزت وجلال کے سبب ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہوں اور ان لوگوں کے لیے بھی میری محبت لازم ہو جاتی ہے جو آپس میں ایک دوسرے پر میری وجہ سے خرچ کرتے ہیں۔

(الترغیب والترہیب ج ۳،ص:۲۴۲)

(۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید لیکن ان کے مقام ومرتبے کو دیکھ کر انبیا اور شہدا رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا: وہ کون ہیں ہمیں بتائیں تاکہ ہم بھی ان سے محبت کریں؟ تو آپ نے فرمایا: وہ ایسی قوم ہے جو اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرنے والی ہوگی۔ نہ ان کا آپس میں کوئی رشتہ ہوگا اور نہ نسب۔ ان کے چہرے نور کی مانند چمک رہے ہوں گے اور وہ نور کے منبر پر ہوں گے۔ انھیں کسی قسم کا کوئی خوف نہ ہوگا جبکہ لوگ خوف زدہ ہوں گے اور نہ انھیں کسی قسم کا غم ہوگا جبکہ لوگ غمزدہ ہوں گے۔

(الترغیب والترہیب ج ۲،ص:۲۴۲)

(۹) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو قیامت کے دن نور کے منبر پر ہوں گے ان کے چہروں کو نور ڈھانپے ہوئے ہوگا۔ یہاں تک کہ لوگ قیامت کے حساب سے فارغ ہو جائیں گے۔ (الترغیب و

☆ سکریٹری: آل انڈیا تبلیغ سیرت، مغربی بنگال

الترہیب ج ۳،ص:۲۴۲)

(۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: بے شک جنت میں یاقوت کے کھمبے ہیں جن پرزبرجد کے کمرے ہیں۔اس کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔وہ اس طرح چمکتے ہوں گے جس طرح روشن ستارے چمکتے ہیں۔صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کمروں میں کون رہے گا؟ تو فرمایا: اللہ کے لیے آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے والے اور اللہ کے لیے آپس میں ایک دوسرے پر خرچ کرنے والے اور اللہ کے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کرنے والے۔(یہ لوگ اس میں رہیں گے)

(الترغیب والترہیب ج ۳،ص:۲۴۳)

(۱۱) حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ایمان کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (افضل ایمان اس شخص کا ہے) جو کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لیے کسی کو بُرا سمجھے تو اللہ کے لیے اور اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھے۔(الترغیب والترہیب ج ۳،ص:۲۴۳)

(۱۲) حضرت عمرو بن جموع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: آدمی کا ایمان اس وقت تک خالص نہیں ہوسکتا جب تک کہ اللہ کے لیے کسی سے محبت نہ کرے اور اللہ کے لیے کسی سے عداوت نہ رکھے اور آدمی جب اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے محبت کرتا ہے یا کسی سے اللہ کے لیے دشمنی رکھتا ہے اس وقت وہ اللہ کی دوستی کا حقدار ہوتا ہے۔(الترغیب والترہیب، ج ۳،ص:۲۴۳)

(۱۳) حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی کو اللہ کے لیے کچھ دیتا یا اللہ کے لیے کسی سے محبت کرتا ہے یا اللہ کے لیے کسی سے دشمنی رکھتا ہے اور اللہ کے لیے کسی سے نکاح کرتا ہے تو اس کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔

(الترغیب والترہیب ج ۳،ص:۲۴۴)

(۱۴) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال میں سب سے افضل عمل اللہ کے لیے کسی سے محبت کرنا یا اللہ کے لیے کسی سے دشمنی رکھنا ہے۔

(الترغیب والترہیب ج ۳،ص:۲۴۴)

(۱۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: یارسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ تو حضور نے فرمایا: تو نے قیامت کے دن کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ کہا: قیامت کے لیے تو میں نے کوئی تیاری نہیں کی البتہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں تو حضور نے فرمایا کہ تمھارا حشر انھیں کے ساتھ ہوگا جن سے تم محبت کرتے ہو۔

(الترغیب والترہیب ج ۳،ص:۲۴۴)

(۱۶) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک آدمی کسی قوم سے محبت کرتا ہے لیکن ان کے عمل کی طرح عمل نہیں کرپاتا تو حضور نے فرمایا اے ابوذر! تمھارا حشر انھی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے تم دنیا میں محبت کرتے ہو۔ابوذر نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اللہ سے اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں تو حضور نے فرمایا: اے ابوذر! تم قیامت کے دن اس کے ساتھ ہوگے جس سے محبت کرتے ہو۔(الترغیب والترہیب، ج ۳،ص:۲۴۴)

(۱۷) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: مومن کے علاوہ کسی سے دوستی نہ کرو اور تمھارا کھانا پرہیزگار کے علاوہ کوئی نہ کھائے۔

(الترغیب والترہیب، ج ۳،ص:۲۴۴)

کاش ان فرمودات رسول سے ہم سبق حاصل کرلیں اور خودغرضی کی غلاظت سے نکل کر آپسی رشتہ و محبت کی بنیاد اللہ کے رسول اور مذہب اسلام پر استوار کرلیں تو کیا خوب ہو۔ (اللّٰھُمَّ آمین ثُمَّ آمین)□□

بقیہ: —— قطبِ لاہور مولانا غلام قادر بھیروی

رسالہ ''ناصح العباد مع نافع العباد در جواب دافع الفساد'' کے صفحہ ۴۸ پر بصورت اشتہار کیا گیا ہے۔

وصال: ۲۱/اپریل ۱۹۰۸ء/ ۷ا ربیع الاول ۱۳۲۶ھ کو کچھ عرصہ علیل رہنے کے بعد مولانا بھیروی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔مولانا کرم الدین دبیر لکھتے ہیں:

''مولانا غلام قادر صاحب مرحوم کا جنازہ جب شہر لاہور میں اٹھایا گیا تو ہجوم خلائق اس قدر تھا کہ نماز جنازہ باہر پریڈ میں پڑھی گئی کارخانوں کے مزدوروں نے اس روز مزدوری ترک کرکے شمولیت جنازہ کی۔(تازیانۂ عبرت (باردوم) ص:۸۔۱۶۷،وص ۲۸۹ مطبوعہ قاضی کرم الدین دبیر اکیڈمی پاکستان)

بیگم شاہی مسجد میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔آپ کے شاگرد مولانا محمد عالم امرتسری نے تاریخ وفات کہی:

منبع فیض رب جلیل ۱۳۲۷ھ

درخلد بریں قبلۂ من ۱۳۲۷ھ

مولانا فتح محمد فاروقی حقیر نے جو قطعہ تاریخ تحریر کیا ہے اس میں ۱۳۲۶ھ سال وصال قرار دیا ہے۔(تذکرہ اکابر اہل سنت مولفہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری،ص:۳۳۰)

حق نما

ابو اسامه ظفر القادری بکھروی ☆

حدیث جابر اور رفع یدین کا منسوخ ہونا

(آخری قسط)

قائلین رفع یدین اور حدیث جابر

بعض غیر مقلدین حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ آپ کے ذہن کی اختراع ہے۔ پہلے محدثین نے اس حدیث سے نسخ رفعِ یدین کا استدلال نہیں فرمایا جو آپ کرتے ہو۔

جواباً عرض ہے کہ زمانۂ قدیم سے قائلین رفعِ یدین محدثین اپنی اپنی کتب میں حدیث جابر بن سمرہ کے جوابات دیتے آرہے ہیں اور بلا دلیل یہ ان کی تردیدیں جو ہیں وہ آخر کس کا جواب دے رہے ہیں؟ اگر آپ کے بقول اس حدیث سے نسخ رفعِ یدین کا استدلال کرنے والا کوئی نہیں تھا تو اس حدیث کی جوابی تحریریں کس بنیاد پر ہیں اور نسخ رفع یدین کا ردّ کرنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ زمانہ قدیم سے ہی اس حدیث سے نسخ رفع یدین کے استدلال کرنے والے ائمہ اور علما و محدثین موجود تھے جب کہ اس کا رد کرنے والوں میں خود غیر مقلدین کے اعتراف کے مطابق امام بخاری علیہ الرحمہ (المتوفی ۲۵۶ھ) سر فہرست ہیں۔ (ملاحظہ فرمائیے: جزء رفع الیدین للبخاری ص ۱۶ طبع مکتبہ اسلامیہ)

اسی طرح امام ابوداؤد (المتوفی ۲۷۵ھ) ''قائل رفع یدین'' نے اسے سنن ابوداؤد میں اور امام نسائی (المتوفی ۳۰۳ھ) ''قائل رفع یدین'' نے سنن نسائی باب السلام میں اس حدیث کو رکھ کر اس کے عندالرکوع کی ممانعت کی بابت ہونے سے انکار کیا ہے۔ یہ بھی ثبوت ہے کہ ان کے دور میں اسے ممانعت رفع کی دلیل سمجھنے والے علما و محدثین وفقہا موجود تھے۔

اسی طرح امام ابن حبان (المتوفی ۳۵۴ھ) کا اپنی کتب میں اور امام نووی شافعی (المتوفی ۶۷۶ھ) کا قائلین رفع یدین کا ''شرح صحیح مسلم'' وغیرہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی (المتوفی ۸۵۲ء) کا ''تلخیص الحبیر'' میں، ابن الملقن کا ''البدر المنیر'' اور ابن سید الناس کا ''شرح ترمذی'' میں حدیث جابر کے رد میں جوابات لکھنا اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ ہر دور میں حدیث جابر سے نسخ رفع یدین کا استدلال کرنے والے علما و محدثین موجود رہے ہیں خاص کر قاضی شوکانی (غیر مقلد، المتوفی ۱۲۵۰ھ) نے ''نیل الاوطار ۱۸۸/۲'' میں واضح الفاظ میں لکھا: ''**واحتج من قال لعدم الاستحباب بحدیث جابر بن سمرة الخ**'' یہ عبارت بھی اس بات کی نا قابل تردید اور ٹھوس حقیقت ہونے کی طرف نشاندہی کرتی ہے کہ حدیث جابر سے استدلال کرنے والے محدثین ہر دور کے اندر موجود رہے ہیں۔

یہ ایک اجتہادی اور فروعی مسئلہ ہے اسی وجہ سے اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس لیے ترک رفع یدین کرنے والوں کو برا کہنا درست نہیں۔ اسی طرح ابن جوزی نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے فرماتے ہیں:

''**وقد احتج بعض أصحاب أبی حنیفة بهذا الحدیث فی منعهم رفع الیدین فی الرکوع وعند الرفع منه**''

(المشکل من حدیث الصحیحین لابن جوزی ۹۲۵/۱۔ المکتبۃ الشاملہ)

ترجمہ: بعض اصحاب ابی حنیفہ نے اس حدیث کے ساتھ رکوع سے پہلے اور بعد رکوع سر اُٹھاتے وقت رفع یدین کی ممانعت کی دلیل پکڑی ہے۔

نوٹ: یہ کہنا کہ اس حدیث کا تعلق ''باب السلام'' سے ہے اور اس پر تمام محدثین کا اجماع ہے کئی وجوہ سے باطل ہے۔ محدثین نے اپنی اپنی فہم سے اس حدیث پر ابواب باندھے ہیں۔ کئی محدثین نے تو باب السلام میں اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کئی نے دیگر ابواب میں اس کو ذکر کیا ہے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن الملقن، ابن تیمیہ وغیرہا سے بہت پہلے ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی کتاب مصنف ابن ابی شیبہ (ج دوم ص ۴۸۶ طبع کراچی) میں اس حدیث کو باب ''**من کره رفع الیدین فی الدعاء**'' کے زیرعنوان رکھا ہے۔ اسی طرح ابی عوانہ نے مسند ابی عوانہ (۸۵/۲ طبع مکہ مکرمہ) میں ''**بیان النهی عن الاختصار فی الصّلوٰة وایجاب الانتصاب والسکون فی الصّلوٰة الالصاحب العذر**'' کے عنوان کے تحت رکھا ہے۔ جب کہ امام بیہقی نے ''**جماع ابواب الخشوع فی الصلوٰة والاقبال علیها**'' کے زیرعنوان یہ حدیث لائے ہیں۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ۲۸۰/۲ طبع ملتان)

محمد بن اسحاق النیشاپوری نے ''مسند السراج ص ۲۴۳'' میں ''**باب فی السکون فی الصّلوٰة**'' کے تحت لکھا ہے:

''کیا محدثین جو حدیث جس باب میں رکھیں وہ اسی معنی کی ہو کر رہ جاتی ہے؟''

اگر جواب ہاں میں ہے تو اس کی دلیل شرعی کیا ہے؟ اور اگر نہیں تو پھر اس حدیث کے بارے میں رفع یدین کے قائلین محدثین کے ابواب کو اپنے معنی دے کر ہم پر ڈالنے کا مقصد؟

محدثین کی ابواب کے تحت چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

امام مسلم علیہ الرحمہ کی ایک حدیث ''**لا تصوم المرأة الاباذن**

اھـــلھـــا'' کو جو روزہ کے مسئلہ سے متعلق ہے کو آپ نے ''کتـــاب الزکوٰۃ'' میں رکھا ہے۔ (صحیح مسلم ۱/۳۳۰ طبع کراچی)

نیز امام نسائی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو ''کتاب السہو'' کے تحت لکھا ملاحظہ فرمائیے: (سنن نسائی ۱/ ۱۷۶ طبع کراچی) بتائیے اس میں زکوٰۃ اور سہو کا کیا مسئلہ ہے؟

امام بخاری علیہ الرحمہ نے ''صحیح بخاری ۱/ ۱۳۵'' میں ایک عنوان ان الفاظ سے قائم فرمایا ہے:

''بـاب اذا فـاتـه الـعيد يصلي ركعتين وكذالك النساء ومـن كـان فـي البيوت والقرى'' پھر اس کے تحت حدیث ''وعـنـد جاريتان في ايام منى تدففان و تضربان الخ:

بتائیے اس عنوان کا اس باب سے کیا تعلق؟

اسی طرح جو حدیث باب کے تحت آئے تو کیا صرف وہی معنی درست ہوں گے؟ امام بخاری علیہ الرحمہ بخاری شریف (۱/۵۱۴ مترجم طبع لاہور) ''کتاب التہجد میں حدیث عائشہ لے کر آئے ہیں جو غیر مقلدین تراویح کی دلیل بنا کر پیش کرتے ہیں تو کیا غیر مقلدین حضرات اس حدیث کو تہجد کی حدیث مانتے ہیں؟

امام ابو داؤد نے اپنی سنن ابی داؤد کی ''کتاب الصلوٰۃ'' میں ایک عنوان قائم کیا ہے ''بـاب مـن لـم يـذكر الرفع عند الركوع'' یعنی اس شخص کا باب جس نے رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت کی رفع یدین کا ذکر نہیں کیا۔ پھر اس کے تحت سند صحیح کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت لائے کہ: ''كـان رسـول الله ﷺ اذا دخل في الصّلوٰة رفع يديه مدا '' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھ خوب اٹھا کر (رفع یدین کر کے) آغاز فرماتے۔ (سنن ابوداؤد ۱/۱۱۰ طبع کراچی)

امام نسائی نے ''سنن نسائی ۱/ ۴۶۹ مترجم طبع لاہور'' میں پہلے رفع یدین کرنے کی احادیث درج کیں پھر باب لگایا ''تـرک ذالک'' یعنی اس کے ترک کا بیان۔ پھر عبداللہ بن مبارک کی سند سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترک رفع یدین کی حدیث لائے ہیں۔ کیا غیر مقلدین یہاں محدثین کے فہم کو تسلیم کریں گے؟

قائلین رفع یدین محدثین سے استدلال کا جواب

حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے متعلق قائلین رفعِ یدین کے اقوال حجت نہیں اس لیے کہ وہ اس معاملے میں مدعی ہیں اور مدعی کی گواہی شرعاً درست نہیں علاوہ ازیں بعض احناف کے اقوال پیش کرنا بھی درست نہیں کیونکہ یہ حنفی نہیں جیسے ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی وغیرہ اور جو حنفی ہیں ان کے اقوال ان کے تفردات میں سے ہیں لہٰذا قبول نہیں کیونکہ خلاف مذہب تو ہمارے نزدیک امام ابن ہمام جیسے محقق اور مجتہد کی ابحاث بھی معتبر نہیں۔

حدیث جابر کی تشریح

یہ حدیث اپنے مفہوم میں نہایت درجہ واضح ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایک جم غفیر مسجد میں حالت نماز میں رفع یدین کر رہا تھا جیسا کہ حدیث جابر کے مختلف طرق سے ثابت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور انہیں آئندہ ایسا کرنے سے صاف منع فرما دیا جس کے بعد اتنی بات یقینی ہوگئی کہ اس حدیث میں مذکور جس رفع یدین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا تھا وہ قطعاً ممنوع ہے اور اس حدیث کا علم ہو جانے کے بعد اس کے برخلاف اس ممنوع رفع یدین کو جائز سمجھنا کسی مسلمان کے لیے ہرگز روا نہیں کیونکہ یہ ارشاد ربانی ''وما نها كم عنه فانتهوا'' کے مطالبہ اور تقاضا کے منافی ہے۔ لیکن چونکہ یہاں اختلاف کی گنجائش تھی لہٰذا مجتہدین نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا جو کہ جائز ہے۔

ہمارے نزدیک اس حدیث میں مذکور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منع کردہ رفع یدین ہے جس کی وضاحت اسی حدیث میں موجود ہے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ مبارک ہیں ''كـانـهـا أذنـاب خيل شمس'' آپ نے صحابۂ کرام کی اس رفع یدین کو ''خـيـل شـمــس'' یعنی منہ زور، سرکش اور شریر گھوڑوں کی دُموں کی حرکت سے تشبیہ دی۔ اور آپ نے صرف یہ ہی نہیں فرمایا بلکہ '' خيل '' کے ساتھ ''شمس '' کی قید بھی لگائی یعنی اس رفع یدین کو عام گھوڑوں کی دُموں کی حرکت سے مشابہ قرار نہیں دیا بلکہ ایک خاص مزاج کے حامل مخصوص گھوڑوں کی دُموں سے تشبیہ دے کر منع فرمایا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں کسی لفظ کی کمی بیشی سے متعلقہ مسئلہ کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ مثلاً کفارۂ ظہار میں اللہ تعالیٰ نے ''فتـحــريــر رقبة '' ارشاد فرمایا اور کفارۂ قتل میں ''فتحرير رقبة مؤمنة '' ارشاد فرمایا۔ لہٰذا پہلی صورت میں ''رقبة'' کافر کے آزاد کرنے سے بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔ مگر دوسری صورت میں نہیں کیونکہ اس میں ''رقبة'' کے ساتھ ''مؤمنة'' کی قید ہے۔

اسی طرح ماہ رمضان کے روزوں کی قضا کی ادائیگی کے بارے میں ارشاد فرمایا''**فعدة من ایام اخر** ''یعنی چھوٹے ہوئے روزے یک مشت بھی رکھے جا سکتے ہیں اور متفرق بھی۔لیکن کفارۂ قتل اور کفارۂ ظہار کی دوسری متبادل صورت بیان کرتے ہوئے ارشادفرمایا!''**فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین** ''یہاں''متتابعین''کی قید سے واضح ہوا کہ وہ روزے متفرق طور پر کالعدم شمار ہوں گے نیز کفارۂ ظہار میں''**من قبل ان یتماسا** ''کی بھی قید لگائی۔لہٰذا روزوں کے دوران تماس کے واقع ہو جانے سے بھی پہلے رکھے گئے روزے گنتی میں نہیں آئیں گے۔

ان مثالوں سے واضح ہوا کہ''شمس''کی قید بھی ایک خاص مقصد کے لیے ہے جس کے ذریعے آپ نے صرف اس رفع یدین سے منع فرمایا جو''**خیل شمس** ''کی دُموں کی حرکت سے مشابہ ہو۔ہر قسم کے رفع یدین سے نہیں۔پس وہ رفع یدین جو شمس گھوڑوں کی حرکت سے مشابہت رکھتی ہو وہ ممنوع قرار پائی۔

''خیل شمس'' کے معنیٰ

''خیل شمس''کی دُموں کی حرکت کیا ہے۔اس کی نوعیت اور خاصیت کیا ہوتی ہے؟اس کی مکمل وضاحت کتب لغت اور شروح حدیث میں موجود ہے۔المنجد مترجم ص ۱۴۱ ۵ مطبوعہ دھلی انڈیا میں ہے:

شمس ،شموسا و شماسا،الفرس گھوڑے کا سرکش ہونا، گھوڑے کا مچلنا کہ کسی کو سوار نہ ہونے دے، نہ زین کسنے دے، نہ ایک جگہ قرار پکڑے۔اسی طرح شرح مسلم نووی میں حدیث جابر کے تحت لکھا ہے:

''**وھی التی لا تستقر بل تضطرب و تتحرک باذنابھا وار جلھا** ''یعنی خیل شمس ایسے گھوڑوں کو کہا جاتا ہے جو ایک جگہ جم کر کھڑے رہنے کی بجائے اچھل کود کریں اور ان کی حرکت کا انداز ہ یہ ہو کہ وہ اپنی دُموں اور ٹانگوں کو معاً ہلائیں اسی طرح النہایہ ۲/ ۵۰ میں بھی ہے۔

اس تفصیل کی رو سے یہ بات بے غبار ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو اس حدیث میں مذکور جس رفع یدین سے منع فرمایا تھا وہ وہی تھی جس میں ان کے ہاتھوں کے ساتھ ان کے جسم کے دوسرے حصے بھی ہل رہے ہوں کیونکہ''**أذناب خیل شمس** ''کی حرکت کا انداز یہی ہوتا ہے ورنہ یہ تشبیہ عبث قرار پائے گی۔جبکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اس عیب سے قطعاً مبرا ہے اور اس مد میں نماز کی ہر اونچ نیچ والی تمام رفع یدین آتی ہیں۔مثلاً رکوع میں جاتے وقت یا اس سے سر اُٹھاتے وقت۔اسی طرح دو سجدوں کے مابین یوں ہی دو رکعتوں سے تیسری رکعت کی طرف کھڑے ہونے کے وقت وغیرہ جن پر اہل تشیع اور غیر مقلدین (اہل حدیث) عمل پیرا ہیں۔کیونکہ ان میں سے کسی میں ہاتھ پہلے ہلتے ہیں اور سر یا جسم کا دوسرا حصہ اس کے فوراً بعد ہلتا ہے یا سر اور جسم کا کوئی حصہ پہلے ہلتا ہے اس کے معاً بعد ہاتھ ہل جاتے ہیں اور یہی ''**اذناب خیل شمس**'' والی حرکات ہیں لہٰذا اس کے تحت منع ہے یعنی منسوخ ہے

تکبیر تحریمہ ،قنوت وتر اور عیدین والی رفع یدین منع نہیں ھیں

یہ تمام''خیل شمس''کی دُموں کی حرکت سے مشابہ نہیں ہیں لہٰذا منع بھی نہیں ہیں۔اس لیے کہ ان میں صرف ہاتھ ہلتے ہیں جسم کا کوئی حصہ نہیں ہلتا یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر ان رفع یدین کے منسوخ ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں۔

جب ہم تکبیر تحریمہ کہتے وقت رفع یدین کرتے ہیں تو جسم بالکل ساکن ہوتا ہے اور اس کے بعد کوئی حرکت نہیں ہوتی جو''خیل شمس''کے تحت آئے اسی طرح قنوت وتر کی تکبیر اور رفع یدین میں جسم بالکل ساکن اور صرف ہاتھ ہلتے ہیں۔عیدین کی نماز میں بھی صرف ہاتھ ہلتے ہیں جسم نہیں۔دوسری رکعت میں جب ہم چھ زائد تکبیریں کہہ چکتے ہیں اور رفع یدین بھی کر لیتے ہیں تو رکوع کی تکبیر تھوڑے وقفے سے کرتے ہیں۔پھر رکوع میں وقفے کے ساتھ جاتے ہیں تا کہ ''**أذناب خیل شمس**''کی حرکت کے مشابہ نہ ہو اور اس ممانعت کے زمرے میں نہ آئے اس وجہ سے ان میں سے کوئی رفع یدین منع نہیں لہٰذا غیر مقلدین کا یہ اعتراض بھی رفع ہو گیا کہ اگر رفع یدین منع ہے تو پھر تم وتر اور عیدین میں کیوں کرتے ہو؟اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث جابر ہمارے مخالف نہیں اور غیر مقلدین کا یہ اعتراض جہالت یا تلبیس ہے۔

تکبیر تحریمه،قنوت وتر اور عیدین میں رفع یدین کا ثبوت

مذکورہ بالا تحریر سے اتنا معلوم ہو گیا کہ ان مقامات پر رفع یدین منع نہیں لیکن منع کے ثابت نہ ہونے سے ان کا وجود تو ثابت نہ ہوا؟ جواباً عرض ہے کہ ان مقامات پر دلائل قاہرہ سے رفع یدین ثابت ہے۔

تکبیر تحریمه کے وقت رفع یدین

یہ دونوں فریقین کے درمیان متفق علیہ ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے:

''کان رسولُ اللّٰہ ﷺ اذا دخل فی الصّلوٰۃ رفع یدیہ مـــدا'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھ مبارک خوب اُٹھاتے تھے۔(سنن ابوداؤد ا/۱۱۰طبع کراچی)

اسی طرح مسند احمد ۵/۳۴۳ طبع مکہ مکرمہ و بیروت، مجمع الزوائد ۲/۱۳۰ طبع بیروت، میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔علاوہ ازیں حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے ''فتح الباری شرح بخاری ۲/۲۷۳ طبع مصر،،امام نووی نے ''شرح مسلم ا/ ۱۶۸،، نیز غیر مقلدین کے امام نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے ''السراج الوھاج ا/۱۸۴،الروضۃ الندیہ ا/ ۸۷'' میں اسے نقل کیا ہے۔''رفع یدین عند التحریمہ'' ایسا امر ہے جو شریعت مطہرہ کے دلائل متواترہ سے ثابت ہے جس کے مشروع ہونے میں دوراول سے لے کر آج تک کے جملہ علمائے اُمت متفق ہیں اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں'' یہ تمام کتابوں کا خلاصہ ہے۔

قنوت وتر کا رفع یدین اور اس کا ثبوت

امام ابن دقیق العید علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''الامام'' میں تکبیر قنوت وتر میں رفع یدین کے متواتر اخبار سے ثبوت کا دعویٰ فرمایا ہے۔(کتاب الامام ص ۲۹۱)

امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۵۳۱ میں باب باندھا ہے:''فی رفع الیدین فی قنوت الوتر'' پھر اس میں تین روایتیں لائے ہیں۔

(الف) حدثنا أبو الأحوص،عن مغیرۃ،عن ابراھیم قال ارفع یدیک للقنوت.

(ب) حدثنا معاویۃ بن ھشام قال حدثنا سفیان ،عن لیث عن عبد الرحمن بن الاسود عن أبیہ عن عبد اللّٰہ،أنہ کان یرفع یدیہ فی قنوت الوتر

(ج) حدثنا عبد الرحمن بن محمد المحاربی،عن لیث،عن ابن الاسود عن ابیہ،عن عبداللّٰہ،أنہ کان یرفع یدیہ اذا قنت فی الوتر.''

(مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۵۳۱ برقم ۷۰۲۶، ۷۰۲۷، ۷۰۲۸ بتحقیق محمد عوامہ طبع بیروت)

عن ابراھیم النخعی قال ترفع الایدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصّلوٰۃ وفی التکبیر للقنوت فی الوتر وفی العیدین

(رواہ الطحاوی واسنادہ صحیح)

ترجمہ:حضرت ابراہیم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ رفع یدین سات موقعوں پر کیا جاتا ہے:

(۱) جب نماز شروع کی جاتی ہے۔(۲) دوسرے وتر میں دعا قنوت کے لیے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا جاتا ہے۔(۳) عیدین کی نماز میں۔(۴) حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت۔(۵) سعی میں صفا و مروہ پر۔(۶) مزدلفہ اور عرفات میں۔(۷) منیٰ میں کنکریاں مارتے وقت۔

اس حدیث کی روایت امام طحاوی نے کی اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔(زجاجۃ المصابیح جلد ۲ ص ۳۴۴ طبع لاہور)

اسی طرح ''مختصر قیام اللیل'' ص ۲۳۰ طبع رحیم یارخان میں بھی ہے۔امام احمد بن حنبل اور امام سفیان ثوری علیہ الرحمہ بھی اسی کے قائل تھے۔علاوہ ازیں اس سے قطع نظر ان مقامات پر رفع یدین کرنا ہمارے اماموں سے ثابت ہے۔جب کہ اس کی ممانعت کی بھی کوئی معیاری شرعی دلیل نہیں اگر کسی کا دعویٰ ہے وہ دلیل پیش کرے ان شاءاللہ اس کا جواب دیا جائے گا۔

امام ابو یوسف کی تالیف میں ہے:

''امام ابراہیم نخعی تکبیر قنوت وتر اور تکبیرات عیدین میں رفع یدین کرنے کا فتویٰ دیتے تھے۔''(کتاب الآثار ص ۲۱)

علامہ بدرالدین محمود عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''وھو الحدیث المشھور ان النبی ﷺ قال لا ترفع الأیدی الا فی سبع مواطن،ثلاثہ فی الصلوٰۃ،وأربعۃ فی الحج. وأما الثلاثہ فتکبیرۃ الافتتاح،وتکبیرات العیدین، و تکبیرۃ القنوت.''(البنایۃ ۲/۵۸۸ طبع بیروت)

عیدین کی نماز میں رفع یدین کا ثبوت:

''عن ابراھیم النخعی قال ترفع الایدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصلوٰۃ، وفی التکبیر للقنوت فی الوتر وفی العیدین.'' (الحدیث الطحاوی واسنادہ صحیح) اس کے علاوہ شیخ الاسلام بدرالدین محمود عینی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''فان الکرخی قال فی مختصرہ قال ابو حنیفۃ و محمد یرفع یدیہ فی التکبیرات الزوائد فی العیدین'' یعنی مختصر کرخی میں ہے امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہم اللہ نے فرمایا عیدین کی نماز میں زائد تکبیرات کے ساتھ تمہاری رفع یدین ہے۔(البنایۃ فی شرح الہدایۃ ۳/۱۳۵ طبع بیروت)□□

علامہ قاری محمد ریاض احمد فاروقی ☆

قرآن مجید اور ختم نبوت

فتنۂ قادیانیت اسلامیانِ ہند کے لیے ایک اہم فتنہ ہے، جو مسلمانوں کو ارتداد کے چنگل میں گرفتار کرنے کے لیے تحریک کی شکل میں اُنیسویں صدی کے نصف اخیر میں وجود میں آیا۔ یہ وہ جماعت ہے جس کے کفر وارتداد پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے۔ قلیل تعداد میں ہوتے ہوئے یہ تنظیمی طور پر بہت ہی مضبوط ہے۔ مسلمانوں کے اجتماعی عقیدہ ''ختم نبوت'' کے خلاف اسلام دشمن طاقتوں کے رحم وکرم اور مالی تعاون سے اس کا وجود ہوا اور گرداس پور، پنجاب، انڈیا کے چھوٹے سے قصبے سے اس کا آغاز ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس فتنے کا سیلاب استعماری قوتوں کی مدد سے کئی ممالک میں پہنچ گیا۔ آج یہ ارتدادی فتنہ پھر سے سر اُبھار رہا ہے۔ چھوٹے بڑے قصبات وعلاقے میں یہ فتنہ اپنی چالبازی سے اپنا چنگل گاڑنے میں مصروف ہے۔ چنانچہ اس فتنہ سے تحفظ کے لیے سال ۲۰۱۳ء کو ادارہ ماہِ نور تحفظ ختم نبوت کے طور پر منا رہا ہے۔ پیش نظر مضمون تحفظ ''ختم نبوت'' کے باب میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ (ارشاد عالم نعمانی)

رب کائنات نے جب گلشن ہستی کو آباد کیا تو اس میں ہنگامہ زندگی برپا کرنے کے لیے اپنی سب سے احسن تخلیق انسان کو اس میں بسایا اور اس کے ساتھ ساتھ انسانوں کی تعلیم وتربیت اور رشد وہدایت کے لیے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا۔ یہ گراں قدر ہستیاں مختلف اوقات میں مختلف ادوار میں، مختلف مقامات پر تشریف لاتی رہیں اور انسانیت کی رہبری کا فریضہ عظیم سرانجام دیتی رہیں۔ نبوت کا یہ روشن سلسلہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور سید البشر جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ اس بزم گیتی میں سب سے پہلے نبی آدم اور سب سے آخری نبی حضرت محمد ہیں۔ حضرت آدم سے پہلے نبی کوئی نہیں اور خاتم کے بعد نبی کوئی نہیں۔ دین اسلام میں اس عقیدے کو 'عقیدہ ختم نبوت' کہا جاتا ہے۔ دین اسلام کی رفیع الشان عمارت اسی عقیدہ کی بنیاد پر کھڑی ہے۔ دین اسلام کا مرکز ومحور یہی عقیدہ ہے اور دین اسلام کی روح وجان یہی عقیدہ ہے۔ اس عقیدہ میں معمولی سی لچک یا جھول انسان کو ایمان کی رفعتوں سے گرا کر کفر کی پستیوں میں پٹخ دیتی ہے۔ عقیدہ ختم نبوت اس اہمیت وحیثیت کا حامل ہے کہ قرآن مجید ایک سو مرتبہ خاتم النّبیین کی ختم نبوت کا اعلان کر رہا ہے اور صاحب قرآن دو سو دس مرتبہ سے زائد اپنی زبان نبوت سے اس عقیدے کی حقانیت پر گواہی دے رہے ہیں۔

اب ہم قرآن پاک کی چند آیات سے مسئلہ ختم نبوت ثابت کرتے ہیں۔

اعلان ختم نبوت:

اللہ رب العزت نے اپنے آخری نبی کو تخت ختم نبوت پر بٹھا کر آپ کے سر اقدس پر تاج ختم نبوت سجا کر اور کائنات کی فضاؤں میں خاتم النّبیین کا پرچم لہرا کر آپ کی ختم نبوت کا اعلان یوں کر رہے ہیں:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا.

ترجمہ: ''نہیں ہیں محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن آپ اللہ کے رسول اور تمام انبیا کے ختم کرنے والے ہیں اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا۔''

جب ہم مندرجہ بالا آیت کی گہرائی میں جاتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ زبان عرب میں خاتَم یا خاتِم کا لفظ جب کسی قوم یا جماعت کی طرف مضاف ہو تو اس کے معنی آخری اور ختم کرنے والا ہی ہوتا ہے، اس کے علاوہ اور کوئی معنی نہیں ملتا۔ جیسا کہ عربی زبان کی ضخیم اور مستند لغت کی کتاب 'لسان العرب' میں لکھا ہے:

ختام القوم وخاتمهم وخاتمهم ختام القوم خاتِم القوم (ت کے زیر سے) اور **خاتَم القوم اخرهم**

لغت کی مشہور کتاب 'تاج العروس' میں ہے کہ: **ومن اسمائه عليه السلام الخاتم والخاتم وهو الذى ختم النبوة بمجمئه**

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے خاتم اور خاتم ہے۔ اور وہ ذات اقدس ہے جس نے آ کر نبوت ختم کر دی۔

خاتَم کا مادہ ختم ہے۔ ختم کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے اور نہ باہر کی چیز اس کے اندر جا سکے۔ اس کے دوسرے معنی کسی چیز کو بند کر کے اس پر مہر لگانے کے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر سے نہ کوئی چیز باہر نکل سکتی ہے اور نہ کوئی باہر کی چیز اندر جا سکتی ہے۔

حضور خاتم الانبیا، صحابہ کرام، محدثین، مفسرین اور اکابرین امت نے خاتم النّبیین کے معنی آخری نبی کے کیے ہیں کہ جن کے بعد اور کوئی نبی پیدا نہ ہو۔

تکمیل دین:

عرفات کا وسیع وعریض میدان، حجۃ الوداع کا مبارک موقع، جمعہ کا مبارک

☆ پاکستان

دن اور ختم نبوت کے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پروانے جمع تھے۔ نبیوں کے سردار، ختم نبوت کے تاجدار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان پروانوں کے جھرمٹ میں جلوہ افروز تھے اور تاریخ میں انقلاب برپا کردینے والا خطاب فرمارہے تھے۔ انسانیت کو دستورِ حیات عطا کررہے تھے کہ ملائکہ کے سردار اور وحی کے پیامبر جناب جبرائیل یہ آیت لے کر حاضر ہوجاتے ہیں۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً۔

یہ آیت کریمہ اس بات کا اعلان تھا کہ دین اسلام ظاہری، باطنی، صوری، معنوی ہر لحاظ سے مکمل ہو چکا۔ نبوت کی نعمت پوری ہوچکی، قانون و شریعت کے معاملات طے ہوچکے۔ عقائد، اعمال، اخلاق، حکومت، سیاست، مکروہات و مستحبات اور حرام وحلال کے اصول بن چکے۔ تاریخ انبیا شاہد ہے کہ جب بھی کوئی نیا دین آیا، اسے کوئی نیا نبی لے کر آیا۔ اب تکمیل دین کی وجہ سے کوئی نیا دین نہیں اور کوئی نیا نبی بھی نہیں آئے گا۔ اس لیے تکمیل نبوت کے ساتھ تکمیل دین بھی ہوگئی۔ لہٰذا نبوت و رسالت آپ پر ختم، دین آپ پہ ختم، شریعت آپ پہ ختم، سلسلہ وحی آپ پہ ختم، آسمانی کتب آپ پہ ختم، آپ کا دین خاتم الادیان، آپ کی شریعت خاتم الشرائع، آپ کی کتاب خاتم الکتب، آپ کی مسجد خاتم المساجد، آپ کی نبوت ختم نبوت اور آپ کی ذات اقدس خاتم النّبیین ہے۔

عالمگیر نبوت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل تشریف لانے والے سارے انبیا کی نبوتیں محدود علاقے، محدود وقت اور محدود انسانوں کے لیے تھیں۔ کوئی نبی ایک گاؤں کے لیے نبی بن کر آیا، کوئی ایک قصبہ کے لیے نبی بن کر آیا، کوئی ایک شہر کے لیے نبی بن کر آیا اور کوئی ایک ملک کے لیے نبی بن کر آیا۔ لیکن جب آمنہ کے لال اور عبداللہ کے دریتیم جناب محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آئی تو رب کائنات نے نبی کریم کا تعارف یوں کرایا:

قُلْ یا اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعاً۔

''آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

نبوت محمدی کا دامن ساری کائنات کی وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ نبوت محمدی کا بحرِ بیکراں زماں ومکاں کی قیود سے بالاتر ہے۔ آپ کی نبوت ہر زماں کے لیے، ہر مکاں کے لیے، ہر جہاں کے لیے اور ہر انسان کے لیے! کوئی رنگت، کوئی زبان، کوئی قومیت اور کوئی وطن آپ کی عالمگیر نبوت سے مستثنیٰ نہیں۔ خاتم النّبیین نبی ہیں ہر گورے کے لیے، ہر کالے کے لیے، ہر عجمی کے لیے، ہر عربی کے لیے، مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک، تحت الثریٰ سے ثریا تک اور فرش سے عرش تک۔ غرضیکہ جہاں تک خدا کی خدائی ہے، وہاں تک مصطفیٰ کی مصطفائی ہے۔

خدا یکتا الوہیت میں تو یکتا رسالت میں
کسی کو اب نبی ہونے کا دعویٰ ہونہیں سکتا

نبوت محمدی کا آفتاب عالمتاب:

یاَایُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِداً وَّمُبَشِّراً وَ نَذِیْراً وَ دَاعِیاً اِلیٰ اللّٰہِ بِاذْنِہٖ وَسِرَاجاً مُّنِیْراً۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ کو سِرَاجاً مُّنِیْراً کے دلنواز نام سے پکارا ہے، یعنی روشنی دینے والا سورج، اس دلکش اور روح پرور نام سے مندرجہ ذیل دلنشیں حقائق ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) جس طرح مادی سورج اپنے خالق کے بتائے ہوئے مقررہ راستہ پر حرکت کرتا ہے اور اپنی راہ سے نہیں بھٹکتا ورنہ کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ اسی طرح ہادی برحق اپنے مالک کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر گامزن رہے اور حق کا نور بکھیرتے رہے۔ نعوذ باللہ اگر آپ ذرا بھی اپنے راستہ سے ہٹ جاتے تو کائنات میں مایوسی، ہولناکی اور کفر وضلالت کے سائے پھیل جاتے۔

(۲) جس طرح سورج یوم آخر تک اس کائنات کو اپنی نورانی شعاعوں سے منور کرتا رہے گا اسی طرح نبوت کا آفتاب بھی قیامت تک اپنی ضیا پاشیاں کرتا رہے گا اور منزل کی تلاش میں سرگرداں مسافروں کو منزل تک پہنچاتا رہے گا اور ان کے قلب ونظر کو نور ایمان بخشتا رہے گا۔

(۳) اگر سورج نہ ہوتا تو نہ قوس قزح کے رنگ ہوتے، نہ چمکتے ہوئے ستارے اور دمکتا ہوا مہتاب ہوتا، نہ آسمان سے بارش کا مصفا پانی برستا، نہ گلستان میں بہار آتی۔ نہ پھل ہوتے، نہ سبزیاں، نہ درخت ہوتے نہ مہکتے پھول، نہ ہی حیوانات ہوتے اور نہ ہی انسانات، المختصر ثابت یہ ہوا کہ سورج پر انسانی حیات کا دارومدار ہے۔ اگر سورج کا وجود نہ ہوتو انسانی زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آؤ اہل دنیا! اپنے خالق ومالک کی بات بھی سن لو کہ مادی سورج کا مالک اپنے ''سِرَاجاً مُّنِیْراً'' کے بارے میں کس اہم بات سے تمہارے کانوں کو نوازرہا ہے۔ حدیث قدسی ہے:

لولاک لما خلقت الافلاک، لولاک لما خلقت الجنة، لولاک لما خلقت النار.

''(اے میرے پیارے رسول) اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو نہ زمین و آسمان ہوتے، نہ کوئی مخلوق اور نہ جنت وجہنم پیدا ہوتے۔''

ذرا ایک اور فرق ذہن نشین کرلیجیے کہ رب العزت نے فرمادیا کہ اگر یہ ''سِرَاجاً مُّنِیْراً'' نہ ہوتا تو یہ مادی سورج بھی نہ ہوتا۔ یہ ماڈی سورج جس کی

روشنی میں ہم اپنی زندگی کا سفر طے کر رہے ہیں، اس سورج کو بھی روشنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے طفیل ملی ہے۔ جس طرح ہندوستان، پاکستان، افغانستان، ایران، یونان، جاپان، مصر، روس، امریکہ، افریقہ، مشرق، مغرب، شمال، جنوب کو روشن کرنے کے لیے صرف ایک ہی مادّی سورج ہے۔ اسی طرح روحانیت کا نور بکھیرنے کے لیے صرف ایک ہی سِرَاجاً مُّنِیْراً ہے، جس کی روشنی سے دلوں سے کفر وضلالت کے اندھیرے کافور ہو جاتے ہیں۔ مادّی سورج اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے سورج میں ایک نمایاں فرق ہے۔ مادّی سورج طلوع ہوتا ہے اور چند گھنٹے روشن رہنے کے بعد شام کو غروب ہو جاتا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا سورج قیامت تک غروب نہیں ہوگا۔ مادّی سورج کو گرہن لگ جاتا ہے اور اس کی روشنی میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سورج کو نہ کبھی گرہن لگا ہے اور نہ قیامت تک لگے گا اور نہ ہی اس کی رخشندگی میں فرق پڑے گا۔

خورشید کے کاسے میں ترا صدقہ انوار
خیرات ترے نور کی کشکول قمر میں

معیارِ حق:

قَدْ جَاءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ.

''تمھارے پاس آئی اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب مبین۔''

یہاں روشنی سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن شخصیت اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

نبی خاتم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جن انبیائے کرام پر آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ان میں سے آج بھی کوئی آسمانی کتاب اور صحیفہ اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں۔ ساری کتب اور صحائف دشمنانِ اسلام کے سفاک ہاتھوں سے تحریف و تبدل کا شکار ہو گئے، لیکن آخری نبی پر نازل ہونے والی آخری کتاب کی حفاظت کا ذمہ رب ذوالجلال نے خود اٹھا لیا اور انسانیت کی رہنمائی کے لیے یہ کتاب قیامت تک اپنی حقیقی حالت میں موجود رہے گی۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مبعوث ہونے والے سارے نبیوں میں سے کسی بھی نبی کی تعلیمات اور سیرت مکمل طور پر موجود اور دستیاب نہیں۔ اکثریت کے تو نام ہی معلوم نہیں، صرف چند مشہور انبیائے کرام کی زندگی کے بارے میں چند اوراق مطالعہ کے لیے مل جاتے ہیں۔ لیکن خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور تعلیمات کا ہر ہر جز اور ہر ہر پہلو اپنی پوری درخشانی اور دلکشی کے ساتھ زندہ تابندہ ہے اور روز آخر تک انسانیت کے مطلع حیات پر سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آفتاب اپنی ضوفشانیاں کرتا رہے گا اور انسانیت کے چہرے کو ضیا بخشتا رہے گا۔ کیونکہ قرآن آخری کتاب اور صاحب قرآن آخری نبی۔ اس لیے خدائے رحیم و کریم نے قرآن مجید اور صاحب قرآن کی سیرت کو محفوظ و مامون کر لیا اور رہتی دنیا تک آنے والے جن وانس کو مخاطب کر کے یہ اعلان کر دیا:

قَدْ جَاءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ.

اور خود خاتم النّبیین نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں موجود اور آئندہ آنے والے انسانوں کو مخاطب کر کے رشد و ہدایت کی یہ سند عطا کر دی۔ آپ نے فرمایا:

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جب تک ان کو تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے وہ دو چیزیں اللہ کا قرآن اور میری سنت ہے۔''

الحمد للہ! آج انسانیت کے پاس اللہ کے آخری نبی پر نازل ہونے والی کتاب، اللہ کے آخری نبی کی سنتِ مطہرہ اور اللہ کے آخری نبی کی سیرتِ طیبہ رہبری اور راہنمائی کے لیے موجود ہے۔ اس لیے انسانیت کو قطعاً کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں۔

کائنات کے باسیو! رب رحیم و کریم نے تمھیں ایسا رسولِ اعظم عطا کر دیا جس کے بعد کسی رسول کی ضرورت نہیں۔ وہ ایسی کتاب لے کر آیا جس کے بعد انسانیت کو کسی کتاب کی احتیاج نہیں۔ وہ ایسی شریعت لے کے آیا جس کے بعد انسانیت کسی شریعت کی محتاج نہیں۔ وہ ایسا نظام لے کے آیا جس کے سوا کسی نظام کو دوام نہیں۔ اس کا وجود چراغ فروزاں جو تیرہ و تار شبوں میں روشنیاں پھیلائے۔ اس کی ہستی وہ ابر رحمت جو بحر و بر، کوہ و دمن، نشیب و فراز، سب پر حیات بخش پانی کی بارش برسائے۔ اس کا جسم اطہر وہ خوشبو جو سارے عالم کے دماغوں کو مہکائے۔ اس کا سراپا وہ چشمہ شیریں جس سے ہر پیاسا اپنی تشنگی بجھائے، اس کی ذات وہ بہار جو دلوں کی وادیوں میں ایمان کے پھول کھلائے اور اس کی شخصیت معلم اعظم جو تمام زمانوں کے انسانوں کو تمام علوم پڑھائے اور انسانیت کو علم کے نور سے جگمگائے۔ تو آؤ اے گلشن ہستی کے مکینو! اس محسن انسانیت، قائد انسانیت، فخر انسانیت اور باعث تخلیق انسانیت کے حضور نہایت ادب و احترام کے ساتھ زبان، دہن و دل سے ہدیہ تبریک پیش کریں۔

ریاض خدا کا گل سرسبد — محمد ازل ہے محمد ابد
محمد کہ حامد بھی محمود بھی — محمد کہ شاہد بھی مشہود بھی
محمد سراج، و محمد منیر — محمد بشیر و محمد نذیر
محمد کلیم و محمد کلام — محمد پہ لاکھوں درود و سلام

❑❑

محمد ثاقب رضا قادری ☆

قطبِ لاہور مولانا غلام قادر بھیروی — حیات وخدمات (آخری قسط)

اب ہم ذیل میں مولانا بھیروی کی کتب کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں:

۱. **فتواہ مجموعہ قاضی شمس الحنفیہ (درۂ محمدی) نافع العباد جواب دافع الفساد** (۱۳۰۷ھ): یہ کتاب مطبع پنجاب، لاہور سے شائع ہوئی۔ کل صفحات ۱۰۴ ہیں۔ تقویۃ الایمان کی بعض عبارات کا رد بلیغ ہے، وہابیہ کی اقتدا کی مذمت، عقائد اہل سنت اور چند دیگر مسائل احناف مثلاً ناف سے نیچے ہاتھ باندھنا، قرأت فاتحہ، مسئلہ آمین بالسّر، مسائل ذبیحہ، طلاقِ ثلاثہ، فاتحہ خوانی پر فتاوی جات کا مجموعہ۔ سوات، بنیر، پشاور، کابل، بلخ اور ہندوستان کے مقتدر علما کی تصدیقی مواہیر بھی شامل ہیں۔ صفحہ نمبر ۳۴ ایک شخص مسمّٰی محمد شفیع بن نائب محمد ابراہیم کا وہابی عقائد سے توبہ نامہ پر مشتمل ہے۔ ص ۳۷ تا ۹۳ قصیدہ غوثیہ کی پنجابی زبان میں شرح ہے اور اخیر کتاب میں چند فرقہ جات کا تعارف ہے جو کہ سنت نبوی سے منحرف ہو کر گمراہ ہوئے۔ ص ۹۹ پر مولانا بھیروی اس کتاب کی وجہ تالیف لکھتے ہیں:

”لاہور محلّہ چنگڑاں واقع بیرون دروازہ موری میں اہل محلّہ نے امام کو مسجد سے نکال دیا اس نے نالش کی کہ مجھ کو ناحق نکالا ہے در جواب اس کے اہل محلّہ نے کہا کہ یہ وہابی ہے۔ فریقین سے علما طلب ہوئے انجام کار فیصلہ ہوا کہ وہابی کے پیچھے نماز ناجائز ہے، نکال دو۔ وہابیہ نے چیف کورٹ میں اپیل کیا وہ بھی خارج ہوا اور فیصلہ ماتحت بحال۔ وہابیوں نے اپنی سیاہی دھونے کے واسطے ایک رسالہ مسمّٰی دافع الفسا دلکھا کہ حنفی کی نماز وہابی کے پیچھے جائز ہے چونکہ یہ رسالہ دھوکہ تھا اور جو جو حوالہ اس نے دیا تھا سب سے بھی ظاہر تھا کہ کسی مخالف کے پیچھے تب نماز جائز ہے کہ جب وہ رعایت مقتدی کی کرے اور مقامات اختلاف سے پرہیز کرے سو وہابی لوگ مخالفت کرتے ہیں جس کے سبب لامذہب بنے اور عقائد اس کے ایسے ہیں جن سے حنفیوں کے نزدیک یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں پس امامت ان کی ناجائز ہے۔“

ص ۱۰۰ پر مولانا بھیروی کا فتوی موجود ہے جس کے خلاف وہابیہ نے چیف کورٹ میں پہلے دفعہ ۵۰۴ اور پھر دفعہ ۵۰۰ تعزیراتِ ہند کے تحت اپیل دائر کی لیکن ہر بار ان کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

۲. **ناصح العباد مع نافع العباد در جواب دافع الفساد:**

وہابیہ کی کتاب ’دافع الفساد‘ کے رد میں مولانا بھیروی کے دو رسائل کا مجموعہ ہندوستان پریس لاہور سے شائع ہوا۔ وجہ تالیف بعینہ وہی ہے جو کہ ’فتواہ قاضی شمس الحنفیہ‘ میں مذکور ہوئی۔ ’نافع العباد‘ (جو کہ فتواہ قاضی شمس الحنفیہ میں بھی شامل ہے) میں کچھ ترمیم واضافہ ہے اور رسالہ ’ناصح العباد‘ فتنۂ خوارج کی مختصر تاریخ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اسمٰعیل دہلوی کے فتنہ کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ کل صفحات ۴۸ ہیں۔ اس کتاب کا کچھ حصہ ’سلسلہ اسلام قادری‘ کی آٹھویں کتاب میں شائع ہوا۔ اور ’اسلام کی گیارہ کتابیں‘ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور کے صفحہ ۱۷۳ میں بھی شامل ہے۔

۳. **مجموعہ ختمات خواجگان مع سلسلہ چشتیہ** (۱۳۰۸ھ)

اس رسالہ کے کل ۲۴ صفحات ہیں۔ ۱۳۰۸ھ میں مطبع فیض عام پریس لاہور سے شائع ہوئی۔ اس رسالہ میں طریق ختم خواجگان نقشبندیہ، ختم قادریہ، ختم صغیر غوثیہ عالیہ، ختم خواجگان چشتیہ، فوائد بسم اللہ شریف اور شجرہ عالیہ چشتیہ بہشتیہ کا بیان ہے۔ یہ رسالہ کچھ اوراد ووظائف کے اضافہ کے ساتھ ”سلسلہ اسلام قادری حنفی“ کی چھٹی کتاب میں بھی شائع ہوا۔

۴. **جوہر ایمانی سرّ قرآنی**: یہ بھی مولانا کے دو رسائل کا مجموعہ ہے تاہم سرورق پر دوسرے رسالے کا نام تحریر نہیں۔ کل صفحات ۲۴ ہیں۔ خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور سے اشاعت ہوئی۔ صفحہ نمبر ۸ تک رسالہ ’جوہر ایمانی سرّ قرآنی‘ ہے۔ جس کا دوسرا نام ’شعب الایمان‘ ہے بعض تذکرہ نویسوں نے ان کو الگ الگ تصنیف شمار کیا ہے جو کہ درست نہیں۔ مولانا بھیروی کے رسالہ ’بست رکعت نماز تراویح‘ صفحہ ۱۶ پر اس رسالہ کا دوسرا نام ’شعب الایمان‘ درج ہے۔ یہ رسالہ حدیث الایمان بضع و سبعون شعبة کی مختصر شرح ہے۔ صفحہ ۹ سے رسالہ ’علم الغیب‘ شروع ہوتا ہے۔ آیاتِ قرآنیہ واحادیث نبویہ سے انبیا واولیا کے لیے علم غیب کا اثبات، رسول وولی کے علم غیب کا فرق اور علم کی اقسام (علم لدنی، علم نور، علم جمع وتفرقہ) کے بیان پر مشتمل ہے۔ یہ اس رسالہ کی پہلی قسط ہے صفحہ ۲۴ پر ’باقی آئندہ‘ لکھا ہے۔ یہ رسالہ ’سلسلہ اسلام قادری حنفی‘ کی آٹھویں کتاب میں شامل ہے۔ دوسری قسط کی اشاعت کی بابت معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔

۵. **رسالہ علم الغیب**: تعارف اوپر گزر چکا۔

۶. **شمس الحنفیہ در جواب رسالہ نور الحنفیہ:**

یہ رسالہ ۱۶ صفحات پر مشتمل مطبع صحافی، لاہور سے باہتمام مولوی فضل الدین صاحب شائع ہوا۔ سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے:

”الحمدللہ کہ سردست رسالہ شمس الحنفیہ من جانب مجلس حنفیہ متعلقہ مسجد بیگم شاہی لاہور از انفاس مولوی معنوی مولوی غلام قادر صاحب بھیرہ والے دام فیضہ در جواب رسالہ نور الحنفیہ من جانب مجلس معیار الحنفیہ، لاہور مصدقہ مولوی غلام محمد صاحب بگوی وغلام دستگیر صاحب قصوری وغیرہ کہ جس میں حضرات قائلین

☆ ای میل: saqib1126@hotmail.com

وحدت کو خلاف شرع و خارج از اہل سنت لکھ کر اتصاف جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بجمیع صفات باری تعالیٰ کے منکر ہوئے جس سے سارے اولیاء اللہ کا خلاف شرع ہونا ان لوگوں نے ثابت کر دکھایا ہے اور اپنی اسناد میں وہ عبارت لائے جس سے یہ امر مطلقاً ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ اتحاد وحلول کے ابطال سے وحدت کا ابطال جنون ہے اور سارے اولیاء اللہ وحدت کے قائل ہیں اور اتحاد و حلول کے مبطل اور متحدین وحلولیین کے مخالف۔''

۷. **مصباح الظلام در بیان کفریات کلام** (۱۳۱۸ھ)

یہ رسالہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ۱۳۱۸ھ میں معدن الحکمت پریس لاہور سے شائع ہوا۔ سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے: ''الحمدللہ کہ یہ رسالہ برائے اظہار کفریات کلام تا فرجام جو اکثر عوام سے سرزد ہوتے ہیں اور وہ لوگ اپنے کفر واسلام سے ناواقف ہوتے ہیں جب ان کو ان کلمات کا علم ہوجاوے گا تو اس روشنی اسلام میں دوزخ میں گرنے سے نجات پاویں گے خداوند کریم ان کو نفع دیوے۔'' یہ رسالہ ''سلسلہ اسلام قادری حنفی'' کی نویں کتاب میں بھی شامل ہے۔

۸. **ارشاد الحق المبین لهدایت الجاهل الغبین** (۱۳۲۱ھ)

اس کتاب میں مولانا بھیروی نے حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فیصلہ در وقوع سہ طلاق مجموعی پر تمام مذاہب کا اجماع ثابت کیا ہے۔ علاوہ ازیں فرائض و ارکان و شرائط و احکام نکاح اور محرمات ابدیہ، رضاعیہ، صہریہ، مہر شرعی، عدت، کفو، مسئلہ حضانت اور جہیز کا تفصیلی بیان ہے۔ رسالہ کے کل صفحات ۳۲ ہیں۔ ۱۳۲۱ھ میں مطبع فیض عام لاہور سے شائع ہوا۔ اس رسالہ کا بعض حصہ ''سلسلہ اسلام قادری حنفی'' کی نویں کتاب میں شائع ہوا۔

۹. **بست رکعت نماز تراویح** (۱۳۲۳ھ)

یہ رسالہ فضیلت رمضان، اقسام روزہ، مباحات روزہ، موجبات قضا وکفارہ اور مسئلہ تراویح کے بیان پر مشتمل ہے۔ اخیر رسالہ میں مولانا بھیروی نے ''اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْا وَ لَا یُعْلٰی'' کے عنوان کے تحت فضائل اسلام بیان کیے ہیں۔ رسالہ کے کل صفحات ۱۶ ہیں۔ رمضان ۱۳۲۳ھ میں خادم التعلیم سٹیم پریس، لاہور سے شائع ہوا۔

۱۰. **شمس الضحٰی فی مدح خیر الورٰی** (۱۳۰۰ھ)

یہ کتاب غیر مقلدین کی کتاب 'شہابِ ثاقب' جو کہ رسالہ 'صمصام قادری' کے جواب میں لکھی گئی کا رد بلیغ ہے۔ کل صفحات ۴۰ ہیں اور مطبع پنجاب، لاہور سے شائع ہوئی۔ شہاب ثاقب میں تقویۃ الایمان کی جن عبارات کا دفاع کرنے کی سعی کی گئی مولانا بھیروی نے ان سب کا محاکمہ کیا اور ان کے کفر صریح ہونے پر سیر حاصل دلائل پیش کیے۔

اخیر کتاب پر نامور مورخ ادیب شاعر مفتی غلام سرور لاہوری اور مولوی محمد یار صاحب (واعظ مسجد شاہی، لاہور) کے قطعات تاریخ درج ہیں۔ اس کے بعد صفحہ ۳۷ تا ۴۰ 'صمصام قادری و سنان بغدادی' کے نام سے مولانا بھیروی کا غیر مقلدین کے ساتھ ۱۸ اکتوبر ۱۸۸۲ء کو سیالکوٹ میں ہونے والے ایک مناظرہ کی رُوداد ہے۔ یہ مناظرہ سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر کرنیل برچ کے زیر انتظام ہوا۔ اہل سنت کی طرف سے مولانا غلام قادر بھیروی، مولوی فیض الدین صاحب بغدادی، سید وہاب شاہ صاحب، مولوی محمد الدین صاحب، مولوی امان اللہ، مولوی محمد صاحب، سید چراغ شاہ صاحب، مولوی کرم الٰہی اور غیر مقلدین کی جانب سے مولوی غلام حسین ساہوالہ، مولوی محمد صاحب بوکن والہ، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، مولوی بربان الدین جہلمی، مولوی ہدایت اللہ وزیر آبادی وغیرہ شامل تھے۔ اول مناظرہ تحریری ہوا بعد میں تقریری۔ مولانا غلام قادر بھیروی نے تقویۃ الایمان مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۱ھ کے صفحہ ۴ کی عبارت ''یقین کر لینا چاہیے کہ ہر مخلوق کیا بڑا کیا چھوٹا خدا کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے'' پڑھ کر سنائی اور اس کے رد میں سات آیات اور ایک حدیث پیش کر کے فریق مخالف سے تقاضا کیا کہ وہ اپنے دفاع میں آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ پیش کرے، فریق مخالف پر سکتہ طاری ہوگیا اس پر مولانا بھیروی نے کہا:

''میں خوب جانتا ہوں کہ مدت سے تقویۃ الایمان کی غلطیوں پر کوئی آیت اس کے تابعین نہیں لا سکے تم چھ ماہ یا سال تک کوئی آیت ان فقروں کے مطابق نہ لا سکو گے۔'' (ص:۳۹)

اس پر تمام حاضرین نے کہا کہ فریق ثانی کو جواب نہیں آیا۔ قصہ مختصر یہ کہ اس مناظرہ میں وہابیہ غیر مقلدین کو شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۱. **نور ربّانی فی مدح المحبوب السبحانی** (۱۳۲۷ھ)

احوال و مناقب حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ پر مشتمل یہ رسالہ ۱۳۲۷ھ بمطابق ۱۹۰۹ء میں دیپک راجپوت پرنٹنگ ورکس، لاہور سے شائع ہوا۔ مولانا بھیروی نے اس رسالہ میں فتوح الغیب و بہجۃ الاسرار کا خلاصہ کیا ہے۔ کتاب کے آخر میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے دو عربی قصائد مع ترجمہ شامل ہیں۔ صفحہ نمبر ۶۰ تا ۶۶ پر رسالہ غوثیہ کتاب ارشاد الطالبین مصنفہ حضرت شاہ محمد رضا قادری سے نقل کیا گیا ہے۔ صفحہ ۶۸ پر حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب ابویہ حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک درج ہے۔ صفحہ ۸۱ پر حضور غوث اعظم کی مدح میں مولانا بھیروی کا اردو قصیدہ ہے۔

۱۲. **نماز حضوری نوری** (۱۳۲۸ھ): فضائل ومسائل نماز، وضو و غسل پر مشتمل یہ رسالہ ۱۳۲۸ھ بمطابق ۱۹۱۰ء میں دیپک راجپوت پرنٹنگ ورکس، لاہور سے شائع ہوا۔ سرورق پر یہ عبارت تحریر ہے:

''مسلمانو! مبارک ہو کہ نماز بانیاز بحضور قلب و اخلاص دل جس کی تعریف حدیث شریف میں آئی ہے کہ **لاصلوۃ الابحضور القلب** یعنی بغیر حضور دل کے نماز نامقبول ہے۔ سو اس حضور کا طریقہ اس نماز میں لکھا گیا ہے۔ یہ نماز اہل

حق کی ہے اس کا نام 'نماز حضوری نوری' رکھا گیا ہے۔اب جو کوئی اس کے مطابق نماز نہ پڑھے یقیناً وہ تارک الصلوٰۃ ہے اس کو دین کی لذت اور عاقبت کی عزت مطلوب نہیں وہ حقیر اور ذلیل در بارالٰہی میں حاضر نہ ہوگا اور شفاعت حبیب رب العلمین رحمۃ اللعالمین سے محروم رہے گا۔اہل علم پر فرض ہے کہ امر معروف حتی المقدور بجالاویں،اللہ ہادی ہے۔''

۱۳۔ **نماز حضوری ضروری**: یہ رسالہ ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔اس رسالہ میں مولانا بھیروی نے نماز کا طریقہ مع مسنون دعائیں ذکر کی ہیں۔

۱۴۔ **عقد الفرائد در بیان احسن العقائد** (حصہ اول):

شیخ ربانی امام عبدالوہاب شعرانی کی مشہور کتاب ''الیواقیت والجواہر'' کا خلاصۃً اردو ترجمہ ہے۔معدن الحکمت پریس، لاہور سے شائع ہوا۔کل صفحات ۶۴ ہیں۔

۱۵۔ **عقدالفرائد در بیان احسن العقائد** (حصہ دوم

یہ الیواقیت والجواہر کے اردو ترجمہ کا دوسرا حصہ ہے۔کل صفحات ۸۸ ہیں۔ معدن الحکمت پریس، لاہور سے شائع ہوا۔

۱۶۔ **شوارق صمدیه ترجمه بوارق محمدیه**

''البوارق المحمدية لرجم الشياطين النجدية'' حضرت سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول قادری بدایونی علیہ الرحمۃ کی کتاب لاجواب ہے جس میں فرقہ وہابیہ کے مکائد کا مفصل ومدلل رد کیا گیا ہے۔مولانا بھیروی نے اس کتاب کی افادیت کے پیش نظر اردو ترجمہ کیا جو کہ ۱۳۰۰ھ بمطابق ۱۸۸۲ء میں مطبع گلزار محمدی، لاہور سے شائع ہوا۔حال ہی میں یہ ترجمہ مدرسہ قادریہ بدایوں کے ایک فاضل خالد قادری مجیدی کی ترتیب اور شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری کی تقدیم کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں- ہند اور مطبع اہل سنت و جماعت، لاہور- پاکستان سے شائع ہوا ہے۔

شیخ اُسید الحق قادری صاحب (ولی عہد خانقاہ قادریہ، بدایوں- ہند) تحریر کرتے ہیں:

''شوارق صمدیہ مکمل کتاب کا ترجمہ نہیں ہے، بلکہ صرف کتاب کے مقدمے اور باب اول کی ابتدائی بحث کو اردو کا جامہ پہنایا گیا ہے، سرورق پر 'قسط اول' لکھا ہے اور جہاں ترجمہ ختم ہوا ہے وہاں 'باقی آئندہ' درج ہے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ مترجم پوری کتاب کا ترجمہ دو یا اس سے زیادہ حصوں میں شائع کرنا چاہتے تھے، پہلی قسط مکمل ہوئی تو اس کو شائع کر دیا گیا۔ممکن ہے بعد میں دوسری یا تیسری قسط بھی شائع ہوئی ہو،لیکن اس سلسلے میں راقم سطور کو معلومات دستیاب نہیں ہوسکیں۔''

(وہابی تحریک-تقدیم بر شوارق صمدیہ (جدید) ص:۳۲ مطبوعہ مطبع اہل سنت و جماعت لاہور)

۱۷۔ **محیط اعظم**

مولانا بھیروی نے اپنی کتاب ''شمس الحفیہ درجواب رسالہ نورالحفیہ'' صفحہ ۱۵ پر لکھا ہے:

''عنقریب ایک کتاب جامع جمیع مسائل خلافیہ روافض وظاہریہ ومعتزلہ وغیرہ شائع ہوگی جس میں دلائل بہ تفصیل ہوں گے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ مبارک حضرت آدم تک پہنچا کر توحید کل سلسلہ کی ثابت ہوگی اور انتہائے سلاسل اولیاء اللہ بطرف آل بیت نبوی بیان ہوگا۔نام کتاب محیط اعظم ہے۔''

۱۸۔ **عکازہ در صلوٰۃ جنازہ**

یہ رسالہ مسائل جنازہ،مزارات پر قبہ جات کے اثبات،غائبانہ جنازہ کی ممانعت،زیارت قبور،اعراس بزرگان دین،اسقاط میت وتلقین برقبر کے بیان پر مشتمل ہے۔۲۰۱۰ء میں یہ رسالہ اسلام آباد سے ازسرنو شائع ہو چکا ہے۔

وہ کتب جو ہمیں دستیاب نہ ہوسکیں:

۱۹۔ **حقیقت انوار محمدیه**: راقم کی اطلاع کے مطابق یہ رسالہ دارالعلوم نعمانیہ، لاہور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔'سلسلہ اسلام قادری' کی دسویں کتاب میں 'حقیقت انوار احمدی' کے عنوان سے صفحہ ۱۱۶ تا ۱۵۱ گفتگو موجود ہے۔قرین قیاس یہی ہے کہ یہ بحث مولانا بھیروی کے اسی رسالہ سے اخذ کی گئی ہو۔

۲۰۔ **سیوف الابرار علی منکر جهر الاذکار**: راقم کی اطلاع کے مطابق یہ رسالہ بھی جامعہ نعمانیہ، لاہور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۲۱۔ **عقائد الاخیار فی فضائل الائمة الاطهار**

یہ رسالہ بھی دستیاب نہ ہوسکا تاہم 'سلسلہ اسلام قادری حنفی' کی چوتھی کتاب کے آخر میں مناقب خلفائے راشدین کے علاوہ امام حسن وامام حسین ودیگر ائمہء اہل بیت اطہار کے مناقب شامل ہیں۔غالب گمان یہی ہے کہ مرتب 'سلسلہ اسلام قادری' نے اس رسالہ کو چوتھی کتاب میں شامل کرلیا ہے۔

۲۲۔ **رساله حق المبین**

مولانا مرید احمد چشتی نے اس رسالہ کا ذکر 'فوز المقال فی خلفا پیر سیال' جلد اول میں کیا ہے، تاہم تفصیلات دستیاب نہ ہوسکیں۔

۲۳۔ **الجواب الصواب فی انصلت المقتدی عن فاتحة الکتاب در جواب رساله فضل الخطاب فی مسئله فاتحة الکتاب**: ایضاً

۲۴۔ **اسلام کا اردو قاعده**

اس کتاب کے متعلق اس قدر معلوم ہوسکا ہے کہ اس میں چھوٹے چھوٹے نصیحت آمیز فقرے چھوٹے بچوں کے لیے درج ہیں۔

۲۵۔ **خلاصه تحقیق الفتوی فی ابطال الطغویٰ**

یہ خلاصہ 'سلسلہ اسلام قادری' کی آٹھویں کتاب میں موجود ہے۔الگ سے کتابی صورت میں کس نام سے شائع ہوا، ہمارے علم میں نہیں۔

۲۶۔ **تعویذات دافع طاعون**: اس رسالہ کا ذکر مولانا بھیروی کے

باقی صفحہ 18 پر

ڈاکٹر محمد ایوب اکرم ☆

سید سالار مسعود غازی

سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت جس کی ایک تابناک، دلپذیر اور وسیع تاریخ ہے۔ اعتقادی، مسلکی اور فکری اعتبار سے امت کی رہنمائی کا بارِ گراں اس کے مضبوط کاندھے پر ہے۔ ماضی میں ہمارے اسلاف و اکابر نے امت کی رہنمائی اور کامیابی کے لیے جو قابلِ فخر اور زرّیں کارنامے انجام دیے وہ آج بھی ہمارے لیے بہترین نمونہ اور مشعلِ راہ ہیں۔ اسلاف و اکابر اہلِ سنت کی حیات، خدمات اور تعلیمات سے مسلمانوں کو واقف کرانے کے لیے ادارہ 'ماہِ نور' کی جانب سے 'تحریکِ اسلاف شناسی' کا یہ یادگار کالم شروع کیا جا رہا ہے۔ اس کالم کے تحت خصوصیت کے ساتھ تیرہویں اور چودھویں ہجری کے نمائندہ اکابر اہل سنت کی خدمات ہر مہینے اس کالم کے تحت پیش کی جائیں گی۔ اس ماہ ڈاکٹر محمد ایوب اکرم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا ایک تحقیقی و علمی مضمون 'سید سالار مسعود غازی' شائع کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ سیدنا سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ کا ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں اوّلین مجاہدانہ کردار ہے۔ **(نوشاد عالم چشتی علیگ)**

حضرت سید سالار مسعود غازی (غازی میاں) اپنے وقت کے بلند مرتبہ ولی کامل گزرے ہیں۔ تاریخ کی رو سے سپہ سالار مسعود غازی، محمود غزنوی (فاتح ہند) کے زمانہ میں (یعنی گیارہویں صدی عیسوی کے پہلے ربع میں) پیدا ہوئے اور محمود غزنوی کے انتقال کے بعد تین چار سال تک زندہ رہے۔ اس زمانہ میں ایشیا پرانی تہذیب اور شائستگی کا گہوارہ تھا۔ کہیں کہیں مذہبی تبلیغ کا زور اور سیاسی تبدیلیوں کا بھی شور تھا۔ ہندوستان میں حکمرانی کا شوق آپس میں روز بروز نت نئے تماشے دِکھاتا تھا مگر باہر والوں کے مقابلہ میں سب ایک تھے۔ بدھ مت کو دبا کر برہمنوں کے مذہب نے نئی زندگی پائی تھی اور اس نئی روح کی وجہ سے باہر والوں نے بھی خوب ہاتھ دکھائے۔ ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا مجموعہ تھا مگر شمال اور مغرب کے سمت میں اس کے حدود آج سے زیادہ وسیع تھے۔ اس زمانہ میں یہ تماشہ ہو رہا تھا کہ آج ایک راج بگڑا تو کل دوسرا بنا۔ آج ایک قوم کے راجہ کا زور ہے تو کل دوسرے نے سر اٹھایا۔ ہندو دھرم کی ایک ہی زنجیر میں جکڑے ہوئے سردار ایک دوسرے کے پیاسے تھے۔ دولت و مال کی ہوس نے ان لوگوں کو بے چین کر رکھا تھا۔ محمودی حملوں کا منشا اور ان کی علت غائی ہمارے مضمون سے باہر ہے۔ البتہ صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ اس عظیم الشان بادشاہ کی تبلیغی کوششوں نے اور دنیاوی طاقت و ترقی نے دوسروں پر رنگ جمایا۔ وسط ایشیا اور موجودہ افغانستان، عراق اور ایشیائے کوچک کے رہنے والوں کے لئے ہندوستان کی راہیں کھل گئیں اور پھر وہ اچھی طرح اس سبق کو دہرانے لگے کہ مذہبی تعلیم، احکام اور ان کے شرائط کے ماتحت ہر مسلمان مبلغ ہے۔ اس تبلیغی جوش کو بڑھانے اور اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اگر کوئی خارجی اسباب پیدا ہو گئے تو انہوں نے سمند ناز کے لئے تازیانہ کا کام کیا۔

محمود غزنوی کے بعد بھی اس کے بیٹے، پوتے، پر پوتے اور اہالی موالی اسی رنگ میں رنگے اور تبلیغی دھن میں لگے رہے۔ غزنوی حکومت کمزور ہوتی گئی مگر ہندوستانی غزوات کا شوق غزنیوں کے دل سے نہ نکل سکا۔ اگر آپ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ سپہ سالار مسعود غازی انہیں حالات و کیفیات میں پیدا ہوئے اور انہیں میں پلے بڑھے تو آپ ان کی ہستی کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

الغرض یہی وہ حالات، یہی ماحول، یہی فضا تھی جس نے سپہ سالار مسعود غازی کو بھی متاثر کیا اور اس اثر نے ہندوستان میں اپنے جلوے دکھائے۔ سپہ سالار نے جو کچھ کیا وہ اس زمانہ کا تقاضا تھا اور دیگر اسباب کے ساتھ مل کر تبلیغی شوق ان کو غزنی سے ہندوستان لایا۔

نام و نسب: سالار مسعود غازی بن سالار شاہو غازی بن عطاء اللہ بن طاہر بن طیب بن محمد بن عمر بن ملک بن آصف بن بطل بن عبدالمنان بن محمد ابن الحنفیہ بن اسد اللہ غالب علی بن ابی طالب (شجرہ نسب سے متعلق پہلی کتاب جس نے تفصیل بیان کی ہے وہ عبدالرحمٰن چشتی کی 'مرآۃ مسعودی' ہے۔ مولانا آزاد لائبریری (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے فارسی ذخیرۂ کتب میں اس کتاب کے پانچ قلمی نسخے موجود ہیں:

١. یونیورسٹی کلیکشن، جس کا نمبر ٢٢١ ہے اور یہ ناقص الطرفین ہے۔
٢. حبیب گنج کلیکشن، جس کا نمبر ١/١٢٩/٣٢ ہے۔ ورق ٣٤، سطر ١٧، اور سائز، ٦×٤ء٩ ہے۔ اول و آخر صفحات پر حبیب گنج کی مہر ثبت ہے جس پر ١٣١٤ھ درج ہے۔
٣. جواہر فارسی کلیکشن، جس کا نمبر ٦ ٣٧ ہے۔
٤. سبحان اللہ کلیکشن، جس کا نمبر ٦/ ٩٢٠ ہے۔
٥. عبدالسلام کلیکشن، جس کا نمبر ٣٥/ ٩٤٠ ہے۔

مولانا آزاد لائبریری (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے حبیب گنج کلیکشن کا جو فارسی قلمی نسخہ ہے اس کی ابتدا یوں ہے: ''**بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ عالم الغیب و الشہادۃ وھو بکل شئی محیط** ۔خوش احدی کہ ذات

☆ علی گڑھ، موبائل: 09411982898، ای-میل: akram001@yahoo.com

احدیت را در عالم وحدت بر حقیقت محمدی متجلی گردانید و ہماں حقیقت محمدی کہ جامع جمیع اسما صفات بود در عالم واحدیت بصورت مظاہر گشت ہمدراں حین از سوئے مطلق بر مقید خطاب رسید وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ الصلوۃ والسلام بر آل واصحاب اولا دسبحان اللہ آں ذات پاک احمد کہ رحمت بر عالمیان را باشد بلکہ وجود عالم وآدم بسبب وجود او در وجود آمدہ است، چنانچہ صادر است ''لولاک لما خلقت الافلاک''.....الخ۔

اور اختتام یوں ہے: ''نقلت کہ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری را مریدے پرسید کہ ایں چہ رسم است کہ در ہر ملکی و در ہر شہری قبر سلطان الشہدا است میکنند۔حضرت شیخ قدس سرہ فرمود کہ حق تعالیٰ تصرف کمال سالار مسعود را دادہ است اگر تمام خلائق دنیا در ہر خانہ قبر او را بسبب سازند پس از تصرف خلائق ولایت خود ہر جا حاضر شود وفیض رساند۔الغرض ایں قسم کمالات عزار محبوب الٰہی دیگر برا ممکن نیست، چوں سلطان الشہدا بکمال شوق درعین مشاہدہ پروردگار عالم جاں باختہ است۔ازاں جہت ہر روز تازہ کہ امتی وتازہ عشقی وتازہ ظہوری وتازہ ذوقی وتازہ حسنی وتازہ دردی وتازہ سازی وتازہ سوزی برآستانہ راحت القلوب آں محبوب رب العالمین متجلی است۔

از سر تاناخن پایت سراسر ناز می بینم
کجا حدی است حسنت را ہنوز آغاز می بینم

اس کتاب کے ساتھ مصنف مذکور کی دوسری کتاب 'مرآۃ مداری' بھی منسلک ہے، جو شیخ بدیع الدین الملقب بشاہ مدار قدس سرہ کی سوانح حیات پر مشتمل ہے۔یہ کتاب ۲۰ر اوراق (۴۱ صفحات) پر مشتمل ہے جس کا نمبر ۲/ ۳۹۴۷ ہے۔سطر مختلف ومتفرق ہیں۔سائز ۶×۴×۹ء ہے۔

افسوس کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ شجرۂ نسب سے متعلق اس کی تائید ہمیں دیگر کتب انساب میں نہ مل سکی۔اگر چہ خاندان سے متعلق بعض کتب تواریخ نے روشنی ڈالی ہے۔'مرآۃ مسعودی' نے جو شجرہ لکھا ہے وہ مذکور بالا ہے۔(ص ۲۵،مطبوعہ: بہرائچ،تاج پریس،بار سوم،۲۰۰۲ء۔حیاتِ مسعودی، عباس خاں شیروانی:ص ۳۵)

مولانا شاہ ضیاء الدین نقشبندی امروہوی نے اپنی کتاب 'مرآۃ الانساب' میں یہ شجرہ یوں لکھا ہے:''سالار مسعود غازی بن سالار شاہو غازی بن عطاء اللہ بن طاہر بن بطل بن عبدالمنان بن سیف بن ہاشم بن محمد ابن الحنفیہ (جب کہ مولانا موصوف نے اس شجرہ کی تائید میں کوئی سند ذکر نہیں کی ہے)البتہ مولوی عبداللہ خاں علوی نے اپنی کتاب ''تاریخ کٹرا مانک پور ص ۶۱'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت جعفر الاکبر ابن محمد ابن الحنفیہ کو عبدالمنان بھی کہتے ہیں۔اگر یہ درست ہے تو عبدالرحمٰن چشتی کا شجرہ ایک حد تک صحیح قرار پاتا ہے۔(حیات مسعودی،عباس خاں شیروانی ص ۳۸)

مذکورہ نسب کو ذہن میں رکھتے ہوئے عنایت حسین (مصنف غزا نامۂ مسعود) کا یہ قول عرض کرتا چلوں کہ ''ایک بار مرآۃ مسعودی کی تصنیف کے وقت مصنف (مرآۃ مسعودی) کے دل میں حضرت سلطان الشہدا سید سالار مسعود غازی کے حسب ونسب کے بارے میں قدرے شبہ پیدا ہوا۔رات کو خواب میں سلطان الشہدا کو اسپ بادیہ خنگ پر سوار پایا جو بہرائچ کی طرف سے سامنے آئے اور یہ فرمایا کہ میرے ہمراہ آؤ اور اپنا شک مٹاؤ۔پھر سالار ساہو کے مزار پر ہو کر درجہ بدرجہ محمد بن حنفیہ کی زیارت کی۔وہاں سے خانۂ کعبہ تشریف لائے جہاں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ علیہ ردائے فاختائی اوڑھے ہوئے کعبہ کے دروازے پر تکیہ لگائے نظر آئے۔ان کے ساتھ دو اشخاص سفید داڑھی اور جامہ میں حرم کے دروازے کے قریب نظر آئے۔مصنف موصوف سے معترضانہ کہا کہ آپ کو کچھ یاد ہے یہ پیری مریدی کس کی ایجاد ہے؟ جواب دیا کہ جب آیت:''اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہ......الخ'' حضرت رسالت مآب پر نازل ہوئی ،کیا تم نے خبر نہیں پائی۔اس طریقت کے سر حلقہ اسد اللہ الغالب ہیں۔کسی نے اپنی طرف سے ایجاد نہیں کیا۔یہ سن کر دونوں نے سر جھکا لیا۔پھر حضرت علی مرتضیٰ نے ارشاد فرمایا! مرحبا خوب جواب دیا۔اس کے بعد خانہ کعبہ میں نماز ادا کی۔مصنف (مرآۃ مسعودی) نے اقتدا کی۔اس وقت ''**انا مدینۃ العلم وعلی بابہا**'' کا راز معلوم ہوا۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی ہی خانہ کعبہ سے سلاطین ورجال اللہ کے عزل ونصب کا فیصلہ صادر فرماتے ہیں۔حضرت علی مرتضیٰ کی زیارت سے سینہ کا فور ہوا اور حسب ونسب کا شبہ دل سے دور ہوا۔(غزانامہ مسعود،عنایت حسین ،ص ۱۳)

اگر چہ عنایت حسین نے اس کی کوئی سند پیش نہیں کی ہے لیکن پھر بھی اگر یہ بات سچ ہے تو آپ کا سلسلۂ نسب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے توسط سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے۔

پیدائش: آپ کی پیدائش ۲۱ر شعبان/ رجب ۴۰۵ھ بمطابق ۱۵ر فروری ۱۰۱۵ء کو اجمیر میں ہوئی۔(حیات مسعودی،ص ۵۰-۵۶)

پرورش: جب محمود غزنوی نے (۴۰۹ھ-۱۰۱۸ء) قنوج پر حملہ کیا تو سپہ سالار مسعود غازی اپنی والدہ ماجدہ (ستر معلیٰ) کے پاس اجمیر میں رہے۔قنوج سے واپسی کے بعد سلطان محمود نے لاہور پہنچ کر سالار شاہو کو واپس اجمیر بھیج دیا اور یہیں آپ کی نشو ونما ہوئی۔(حیاتِ مسعودی،ص ۶۵)

تعلیم: جب سپہ سالار مسعود غازی کی عمر قریب ساڑھے چار سال کی ہوئی تو سید ابراہیم کی استادی میں ان کی تعلیمی بسم اللہ ہوئی۔چونکہ آپ نہایت ذہین اور طباع تھے اس لئے اپنے تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے دس سال کی عمر میں خاصی ترقی کر لی۔محمود غزنوی اس وقت خراسان کی مہموں میں مصروف کار

تھا۔اس مصروفیت کو دیکھ کر دامن کوہ کی رعایا نے محمود کے گورنر ملک چھجو کو دق کرنا شروع کر دیا۔انھوں نے سلطان محمود سے شکایت کی ۔اس پر سپہ سالار شاہو کا تبادلہ اجمیر سے کاہلیر (یہ جگہ قنوج کو جاتے وقت سلطان محمود کے ہاتھ آئی تھی) کر دیا گیا کہ وہاں کا انتظام کریں۔سالار شاہو اپنے بیٹے اور بی بی ستر معلیٰ کو اجمیر چھوڑ کر کاہلیر چلے گئے۔سالار مسعود غازی باوجود صغرسنی کے ہر قسم کی تعلیم میں جو شرفا اور اونچے گھرانے کے بچوں کو اس وقت دی جاتی تھی کافی ترقی کرلی۔ شکار، نیزہ بازی ،تیر اندازی،گھوڑ سواری وغیرہ میں پوری مہارت حاصل ہوگئی۔جب سپہ سالار شاہو کا کاہلیر پر تسلط ہو گیا تو محمود غزنوی نے ان کو مستقل طور پر وہاں رہنے کا حکم دیا۔پھر سالار شاہو نے بی بی ستر معلیٰ اور مسعود غازی کو بھی کاہلیر بلالیا۔(حیاتِ مسعودی،ص ٦٥-٦٦)

حالات و کوائف: جب سلطان محمود نے سومنات پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو کاہلیر سے سپہ سالار شاہو اور مسعود غازی کو ساتھ چلنے کے لئے طلب کیا۔جب سلطان محمود سومنات کے لئے روانہ ہوا تو مصالح ملکی کی بنا پر سالار شاہو کو تو واپس کر دیا لیکن مسعود غازی کو ساتھ لے گیا۔

داراشکوہ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالے سے لکھا ہے کہ: ’’آپ سلطان محمود غزنوی کے لشکر کے غازیوں اور سرداروں میں ہیں۔اوائل اسلام میں ہندوستان میں بہت سی فتوحات کیں۔آپ نے درجۂ شہادت حاصل کیا۔خوارق وکرامات وفات کے بعد ظاہر ہوئیں۔آپ کے معتقدین کا بڑا گروہ ہے۔آپ کی شہادت ۴۲۹ھ میں ہوئی۔قبر قصبہ بہرائچ میں ہے۔ ہر سال آپ کے عرس کے فاتحہ میں سینکڑوں لوگ دور دراز سے حاضری دیتے ہیں ونذر و نیاز کرتے ہیں۔‘‘(سفینۃ الاولیا، داراشکوہ،ص ۲۰۵-۲۰۶، ترجمہ: محمد علی لطفی؛ کراچی، انٹر نیشنل پریس، ۱۹۵۹ء)

سومنات کی فتح کے بعد سلطان محمود (اپریل ۱۰۲۶ء) میں غزنی پہنچا۔سپہ سالار مسعود بھی یہیں واپس آئے۔(حیات مسعودی ،ص ٦٥-٦٦)۔پھر سپہ سالار مسعود غازی چند دن غزنی رہ کر اولا کاہلیر اپنے والدین سے ملنے آئے ۔کاہلیر پہنچ کر چند دن قیام کیا اور ہندوستانی غزوات میں شرکت کا ارادہ کیا۔اس ارادہ کی خبر جب اپنے والد بزرگوار کو دی تو انہوں نے اولا روکنا چاہا مگر آپ کے پائے استقامت میں لرزش پیدا نہ ہوئی ۔ بالآخر والد محترم نے آپ کو غزوات میں شریک ہونے کی اجازت مرحمت فرمادی اور تھوڑی سی جمعیت بھی ساتھ کردی۔پھر آپ کاہلیر سے چل کر میرٹھ (ڈاکٹر فوہر نے اپنی کتاب کی جلد ۱۲/۲، پر لکھا ہے کہ: ’’قطب الدین ایبک نے (۱۱۹۴ء) میں میرٹھ میں سپہ سالار مسعود غازی کی یادگار میں ایک مقبرہ بنوایا تھا۔اور یہی روایت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ میرٹھ نے بھی لکھی ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تاریخ فیروز شاہی اور سفرنامہ ابن بطوطہ اور مرآۃ مسعودی سے بہت قبل یہاں پر سپہ سالار مسعود غازی کے متعلق بہت سی مقامی روایات موجود تھیں۔(حیات مسعودی،ص ۹۹)

گڑھ مکتیشور، سنبھل، گنور، ڈبائی، بدایوں (بدایوں کی آمد سے متعلق بہت سی مقامی روایتیں بھی ہیں کیونکہ اس موضع میں سپہ سالار مسعود غازی کے نام سے تھوڑی سی جائداد بھی وقف ہے جس سے خطیرہ کے خدام فائدہ اٹھاتے ہیں۔اور یہاں اسی زمانہ میں ان کی یاد میں ایک میلہ بھی ہوتا ہے جس زمانہ میں بہرائچ میں ہوتا ہے۔ (حیاتِ مسعودی، ص ۱۰۴) گوپامئو، کانپور، مہوبہ، بنارس، ہردوئی، لکھنؤ، مانک پور، کٹرا، رائے بریلی کی مہم کو سر کرتے ہوئے ستر کھہ (بارہ بنکی) میں قیام کیا۔بارہ بنکی سے تبلیغی وفد مختلف مقامات پر بھیجے گئے اور ایک فوجی دستہ سپہ سالار سیف الدین کی ماتحتی میں تبلیغ اسلام کے لئے بہرائچ روانہ کیا۔

بھرائچ میں آمد: سپہ سالار سیف الدین کی ماتحتی میں جو دستہ بہرائچ کے لئے روانہ کیا گیا تھا اس نے اطلاع دی کہ یہاں جنگل ہی جنگل ہے اور کہیں سے رسد نہیں ملتی اس لئے ہمارے کھانے کے لئے غلہ بھیجئے۔اس اطلاع پر سپہ سالار مسعود غازی نے مقامی چودھریوں کو جمع کیا (جس میں سدھو (بارہ بنکی) اور امیٹھی (لکھنؤ) کے چودھری بھی شامل تھے) اور ان سے غلہ طلب کیا ،اولاً غلہ کی قیمت ادا کی (سپہ سالار مسعود غازی کا یہ برتاؤ نہ محض پولیٹیکل دانائی پر مبنی تھا بلکہ اس سے ان کی ایمان داری اور انصاف کا بھی پتا چلتا ہے۔(حیاتِ مسعودی،ص ۱۱٦-۱۱۷)

الغرض چند دنوں کے بعد دوبارہ سپہ سالار سیف الدین کا پیغام آیا کہ ہم کو یہاں کے ہندوؤں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے آپ ہماری مدد کیجیے۔آپ نے والد محترم کی اجازت کے بعد (شعبان ۴۲۳ھ بمطابق ۱۰۳۲ء جب کہ آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی) بہرائچ کے لئے روانہ ہوئے۔

بھرائچ کی حالت ومذھب: بہرائچ میں اس زمانہ میں جنگل ہی جنگل تھا۔چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں اور بہت چھوٹے چھوٹے راجہ تھے۔اور برائے نام قنوج کے ماتحت تھے (ضلع بہرائچ کے قریب ۱۹۰۷ء میں ایک کتبہ برآمد ہوا جو اب لکھنؤ کے عجائب گھر میں موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قنوج کا راجہ چندر دیو گہروال نے ان اطراف کے چھ گاؤں برہمنوں کو دیے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گاؤں راجہ قنوج کی ماتحتی میں تھا۔ (دیکھیے :اپی گریفیا انڈیکا: جلد ۷-۸؛ حیاتِ مسعودی،ص ۱۱۹)

بہرائچ کی اس وقت یہ حالت تھی کہ وہ بہرقوم (جس کے نام پر بہرائچ ہے) کی بستی تھی۔یہ لوگ ہندوستان کے قدیم باشندگان میں سے تھے جن پر آرین تہذیب اور شائستگی کا کم اثر ہوا اور جو اپنے قدیم مذہب کے دلدادہ تھے جن میں آفتاب کی پرستش بھی شامل تھی۔بہرائچ میں سورج کنڈ پر آفتاب کی پرستش کی بہت بڑی جگہ تھی

جہاں سورج گرہن اور چاند گرہن کے روز اتوار کو یاتریوں کا بڑا مجمع ہوتا تھا کیونکہ یہ دن آفتاب سے (اودت وار) منسوب ہے۔

الغرض اسی دن یہ اندوہ ناک خبر بھی آئی کہ آپ کے والد محترم کا چند روز بیمار رہ کر انتقال ہو گیا۔ اس خبر پر ان کو صدمہ تو ضرور ہوا لیکن ان کو اور بھی آزادی کے ساتھ کام کرنے کا موقع مل گیا۔ اسی عرصہ میں بہرائچ کے راجاؤں کا پیغام آیا کہ تم بہرائچ سے نکل جاؤ یہ مقام تمھارے لائق نہیں ہے۔ جواب میں سپہ سالار مسعود غازی نے تھوڑے زمانے کے لئے عارضی صلح نامہ کے طور پر ایک عہد نامہ مرتب کرنے کی تجویز رکھی مگر اس کو ٹھکرا دیا گیا۔ (حیاتِ مسعودی، ص۱۱۹) نتیجتاً دونوں طرف کی فوجوں میں پہلی جنگ ہوئی جس میں سپہ سالار مسعود غازی کو فتح نصیب ہوئی اور کچھ راجہ بھی قید ہوئے۔ پھر دوسری لڑائی ہوئی اور فتح نصیب ہوئی۔ پھر چند دنوں کے بعد تیسری لڑائی گونڈہ کے راجہ سہر دیو سے ہوئی۔

شہادت: فوج کی کمی اور راجہ سہر دیو کی حکمت عملی نے بھرپور کام کیا۔ تیسری لڑائی میں آپ کو شکست ہوئی۔ آپ کے رفقا شہید ہوئے اور آپ کو بھی جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ یہ واقعہ ۱۴؍رجب ۴۲۴ھ مطابق ۱۰؍جولائی ۱۰۳۳ء کا ہے۔ (حیاتِ مسعودی، ص۱۱۹)

سپہ سالار مسعود کا درجۂ ولایت: آپ کا زیادہ تر وقت عبادت الٰہی اور علما و صلحا کی صحبت میں گزرتا تھا۔ آپ کی یہ پیشین گوئی تھی کہ مجھے تا قیام قیامت سورج کنڈ پر ہی رہنا ہے، یہ پوری ہوئی اور یہیں آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اور یہ پیشین گوئی بھی تھی کہ جب مذہب اسلام کی ترویج ہوگی تو بت بالا رکھ خود بخود یہاں سے علاحدہ ہو جائے گا۔

آپ کے تصرفات و کرامات سے متعلق بہت سی روایتیں مشہور ہیں جن میں ایک بڑا قصہ بی بی زہرہ کوان کے مزار پر رہنے اور دعا کرنے کے سبب دوبارہ بینائی مل جانا ہے۔ عبد الرحمٰن چشتی (مصنف مرآۃ مسعودی) نے خود اپنی بابت لکھا ہے کہ انھوں نے سپہ سالار مسعود غازی کو خواب میں دیکھا اور ان کے توسط سے علی رضی اللہ عنہ کو۔

ایک بار مصنف مذکور کو عین چلہ کشی میں یہ خیال آیا کہ سلطان الشہداء نے دربار خدا میں کیا رتبہ و مقام پایا؟ چند عرصہ کے بعد ماہ صیام کے آخری عشرہ میں بشارت ہوئی اور عالم رویا میں خانہ کعبہ کی زیارت ہوئی۔ دیکھا ایک مرد عربی شکل وصورت سفید پیرہن سینہ تک سفید چار اوڑھے اور عربی عمامہ باندھے ہوئے سامنے نظر آیا۔ اور عین وسط کعبہ میں ایک مزار پایا۔ اس مرد بزرگ کو مجاور سمجھ کر دریافت کیا کہ یہ کس کا مزار ہے؟ جواب دیا! یہ خاصۂ پروردگار ہے۔ کچھ دیر کے بعد سلطان الشہداء اسی قبر سے نمودار ہوئے۔ گھوڑا حاضر تھا سوار ہوئے۔ مصنف موصوف نے قدم مبارک پر سر جھکایا۔ حضرت نے فرمایا دوسرا گھوڑا موجود ہے ہمراہ چلو۔ پھر بہرائچ میں آکر رخصت کیا۔ (غزا نامہ مسعود، ص۱۲-۱۳)

شمس الدین عفیف نے لکھا ہے کہ: ''سلطان فیروز شاہ در (سنۃ ۷۷٦ ست و سبعین و سبعمائۃ) سمت بہرائچ سواری کردہ چوں در بہرائچ رسیدہ زیارت بندگی سپہ سالار مسعود غاز رحمہ اللہ بجا آوردہ۔ ودران مقام چند قیام کردہ۔ اتفاقاً شب از شبہا خدمت سپہ سالار مسعود خود را بسلطان فیروز شاہ در خواب نمود و بدیدن سلطان فیروز دست بر محاسن خود فرمود آورد۔ یعنی ایں اشارت بدیں آوردہ کہ ایام پیری غلبہ آوردہ استعداد آخرت فی باید کرد خود را یاد میباید آورد چوں شہسوار خاور از مشرق رو بآورد سلطان فیروز شاہ محلوق شد دراں روز از غایت محبت شاہ فیروز بیشتر خانان مملکت وملوک سلطنت محلوق گشتند۔ آرے عجب اسراری است در قضیہ محبت ومودت'' (جب فیروز شاہ تغلق کا بہرائچ میں قیام تھا تو بادشاہ نے سپہ سالار مسعود کو خواب میں دیکھا۔ سپہ سالار موصوف نے بادشاہ سے اس کی پیری کے متعلق اشارہ کیا۔ اور فرمایا کہ کچھ آخرت کے لئے بھی کام کر لو۔ جب بادشاہ خواب سے بیدار ہوا تو خود اس نے اور اس کے رفقا نے سر اور چہار ابرو کا صفایا کر کے گیروا رنگ کے کپڑے پہنے اور بہت سا صدقہ دیا اور خیرات کی) (تاریخ فیروز شاہی، فصل المیم: ۳۷۲، قسم پنجم)

منہاج الدین، عثمان بن سراج الدین الجوز جانی کا بیان ہے کہ: ''چوں سلطان ناصر الدنیا والدین از دہلی برسمت بہرائچ بقدم مبارک فرمودہ... الخ۔'' (طبقات ناصری؛ ولیم نامولیس وخادم حسین وعبد الحئی (تصحیح)؛ کلکتہ، کالج پریس، ۱۸٦۴ء)

عبد الرحمٰن چشتی کا بیان ہے کہ ''جب فیروز شاہ تغلق بہرائچ آیا تو اس نے سید افضل الدین ابو جعفر امیر ماہ سے (جو خود حضرت جعفر صادق کی اولاد میں سے تھے۔ جن کا مزار بہرائچ میں ہے) کہا کہ وہ سپہ سالار مسعود کے مزار کی کچھ کرامات بتائیں۔ تو امیر ماہ نے جواب دیا کہ اس سے بڑی کرامت اور کیا ہو سکتی ہے کہ تجھ جیسا بادشاہ اور مجھ جیسا فقیر ان کی دربانی کر رہے ہیں۔ اس پر بادشاہ بہت خوش ہوا۔

علاوہ ازیں ملحقات بہرائچ کی گوال ذات کی ایک عورت جو اولاد سے محروم تھی یہاں آنکلی اور خدام کے مشورے سے اس نے منت مانی۔ جب اس کی منت پوری ہوئی اور اس کو لڑکا پیدا ہوا تو قرب و جوار میں مزار کی برکت کا چرچہ ہوا۔ اس کے نتیجہ میں اس کے شوہر جا سونے آپ کی قبر کو بلند کیا۔

حضرت میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہ نے اپنے ۳۳ویں مکتوب میں لکھا ہے کہ: ''ایک مرتبہ سید ابو جعفر (امیر ماہ) آپ کے مزار کے ارد گرد گھوم رہے تھے دیکھا کہ روح مسعودی مجسم اور حضرت خضر علیہ السلام یہ سب اولیا ایک جلسہ میں تھے، میں نے حضرت خضر سے اکثر حالاتِ مشیخیت اور مقاماتِ معرفت دریافت

کیے انہوں نے مفصل جو کچھ مقاماتِ معرفت تھے سب بیان کیے اور بہت کچھ راز مخفی اس جلسہ میں اعلان کیے۔ اس زمانہ میں ساتویں مرتبہ حضرت موصوف کے دندانِ مبارک نے خروج کیا۔ (صولت مسعودی، ترجمہ مرآۃ مسعودی؛ عبدالغنی، ۹۹، لکھنؤ، مطبع علوی ۱۸۶۹ء)

حضرت میر سید علی قوام اپنے ملفوظات میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''سبب حصول قرب توجہ بروحانیت سالار مسعود خاص بارگاہ رب المعبود کرو کہ ان کی روح پاک آفتاب کی طرح عارفان حق پر چمکتی ہے۔ اور یہی حق پرستی کے معنی ہیں۔'' (حوالہ مذکور، ۹۹)

شیخ مرتضٰی نبیرہ خواجہ مصلح الدین باخدا، حضرت سید سلطان کے ملفوظات میں مرقوم ہے کہ ''دہلی میں بارہ برس سورج کنڈ کے نزدیک پرانی قبر میں کہ اندر سے وہ خالی اور ٹیڑھی تھی اس میں بسر کی۔ پھر بارہ برس کے بعد میں باہر نکل کر بیٹھا کہ خدا نے یہ واردات پیش نظر کی کہ ایک بیمار نہایت ناچار راستے راستے چلا جاتا تھا۔ ناگاہ ایک گھوڑ سوار جرار نیلگوں لباس پہنے والے ظاہر ہوا۔ اس سوار نے اس مریض کو زور سے ایک کوڑا مارا اور میری طرف خطاب کر کے اس سوار نے للکارا کہ اے میر! میں نے اس کو کوڑا مارا لیکن تو نے مجھ کو کچھ نہ کہا اور نہ پکارا۔ یہ کہہ کر پھر کئی ایک کوڑے اس ناچار کو مارا۔ اس قدر شدید ضربیں کھا کر وہ زمین پر لوٹنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد لوٹ پیٹ کے اٹھ کھڑا ہوا اور بھلا چنگا ہوگیا۔ اس کے بدن میں جو کچھ مرض تھا سب رفع دفع ہوگیا اور کوڑے کی ضرب کا نشان تک باقی نہ رہا۔ پھر اس مریض سے اس شہسوار نے فرمایا کہ اے شخص! تیرا جی چاہے تو یہیں رہ یا جس طرف تیرا جی چاہے چلا جا۔ اس معاملہ میں تجھ کو اختیار ہے۔ جب اس نے یہ بات سنی تو سیدھا راستہ لیا۔

ٹھوکریں مار کے مردوں کو جلایا تم نے
راہ چلتے میں بھی اظہار کرامات ہوئی

پھر شہسوار نے میر موصوف سے خطاب کیا کہ اے قطب جہانگیر! تین دن تک ہم سے مخاطب ہوئے اور تیسری بار آج پھر تم سے کلام کیا اور تم نے کچھ جواب نہ دیا۔ یہ بات سن کر میر صاحب موصوف کبھی سکتے کی حالت میں رہتے تھے اور کبھی گھبرا گھبرا کر اس شہسوار کو دیکھ کر کہتے تھے کہ آپ کون ہو؟ کچھ اپنی صفت تو بیان کیجیے؟ کچھ اپنا رازِ مخفی مجھ سے بھی بیان کیجیے؟ فرمایا کہ تم ہم کو نہیں جانتے۔ اللہ اکبر! ہر شخصِ مخلص کی ہانڈی میرے ہاتھ میں ہے۔ ولایت کا نمک ہوں۔ مستوں کی جو شراب محبت و عشق ہے اس کی گزک ہوں۔ سید مسعود غازی میرا نام ہے۔ بہرائچ میں سورج کنڈ کے کنارے حوض پر میرا مقام ہے۔ تجھ سے بھی درمیان میں صاحب سلامت ہوگئی۔ (حوالہ مذکور، ص ۹۹-۱۰۰)

قطب الوقت حضرت راجی سید انور مانک پوری کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے گھر اولاد نہ ہوتی تھی۔ اس صدمہ سے میاں غمگین رہتے تھے۔ بیوی روتی تھی۔ آخر ایک دن ان کی بیوی نے نیت کی کہ اگر حق تعالی مجھ کو بیٹا عطا کر دے اور یہ مراد پاؤں تو اپنے فرزند سمیت روضۂ سالار مسعود کی زیارت کو بہرائچ جاؤں۔ پس ان قطب موصوف کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹا عطا فرمایا۔ قطب سید انور صاحب نے نذر وفا کرنے کی غرض سے بہرائچ پہنچنے کا ارادہ کیا۔ گھر کی عورتوں نے شور مچایا۔ ایک رات قطب صاحب اپنے حجرے میں شغل معمولی میں مشغول تھے کہ سلطان الشہدا اراسر اصفیا اپنی گھوڑی پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچے۔ گھوڑی سے اتر کر سیدھے سید صاحب کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ اپنے بیٹے کو میرے پاس لاؤ۔ تجھ کو یہ حاجت نہیں کہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہرائچ جائے۔ پھر سید انور صاحب اٹھ کر سید مبارک کو لا کر جناب ممدوح کے قدموں میں ڈال دیا۔ سید مسعود نے اسے اپنی گود میں اٹھالیا اور دعائے خیر کی اور اپنا راستہ لیا۔ (حوالہ مذکور، ص ۱۰۱)

حضرت شیخ یحیٰ منیری کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ان کے ایک مرید نے پوچھا کہ: ''کیا سبب ہے کہ ہر ملک اور ہر شہر میں جانِ ممدوح کا مزار بنا؟ حضرت شیخ نے فرمایا! حق تعالیٰ نے جناب سید سالار مسعود غازی کو وہ تصرف وکمالِ لازوال دیا ہے اتنا کسی کا رتبہ ہندوستان میں اولیٰ کامل وزبردست نہیں ہے۔ اگر تمام خلائق دنیا میں اپنے ہر گھر میں مزار بنائیں تو جناب ممدوح کے تصرفِ ولایت سے گھر بیٹھے مراد پائیں۔ ہر ایک جگہ آپ تشریف لائیں۔ (حوالہ مذکور، ص ۱۰۱)

میلہ: صرف بہرائچ ہی میں نہیں بلکہ آپ کی یاد میں بہرائچ کے علاوہ بھی مختلف مقامات مثلاً بدایوں، سنبھل، مرادآباد اور آگرہ وغیرہ میں میلے ہوتے ہیں۔

مراجع و مصادر:

۱. امیر خسرو: اعجاز خسروی، ۲/ ۱۵۵، نول کشور لکھنؤ
۲. ضیاء الدین برنی: تاریخ فیروز شاہی (سلسلہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی)، ۴۹۱
۳. ابن بطوطہ: الرحلۃ، ۲/ ۱۷۰، قاہرۃ ۱۹۲۸ء
۴. شمس سراج عفیف: تاریخ فیروز شاہی (فارسی)، فصل المیم ۳۷۲، قسم پنجم
۵. عبدالرحمٰن چشتی: مرآۃ مسعودی (اردو) مطبوعہ تاج پریس، بہرائچ ۲۰۰۲ء
۶. عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ (سلسلہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) ۳/ ۲۷
۹. قاسم فرشتہ: ۱/ ۱۳۹، نول کشور
۱۰. محمد عباس خاں شیروانی: حیات مسعودی (اردو) علی گڑھ
۱۱. عبدالغنی: صولت مسعودی (ترجمہ مرآۃ مسعودی) لکھنؤ، مطبع علوی ۱۸۶۹ء
۱۲. ضیاء الدین نقشبندی: مرآۃ الانساب، جے پور: مطبع رحیمی ۱۶۱۷ء
۱۳. عنایت حسین: غزانامہ مسعود (اردو) کانپور: مطبع نظامی ۱۲۸۷ھ
۱۴. منہاج الدین الجوزجانی: طبقات ناصری (تصحیح: ولیم ناملیس وخادم حسین وعبدالحیٔ) کلکتہ، کالج پریس ۱۸۶۴ء
۱۵. داراشکوہ: سفینۃ الاولیا، ۲۰۵-۲۰۶ (ترجمہ: محمد علی لطفی) انٹرنیشنل پریس، کراچی ۱۹۵۹ء

ابومحی الدین / منظور حسین اختر ☆

جدوجہد کے ساتھ بزرگوں کی دعا کامیابی کے لیے ضروری

استاذ العلما حضرت مولانا مفتی محمد صدیق سعیدی الازہری کا یہ پہلا تفصیلی انٹرویو ہے جو ماہنامہ 'دلیلِ راہ' فروری ۲۰۰۹ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ یہ انٹرویو 'نوید سحر' میں شائع ہوا اور اب قارئین 'ماہِ نور' کے ذوقِ مطالعہ کی نذر کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

آپ جس عظیم شخصیت سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں ان کے پورے خاندان کو خدمت دین کے حوالے سے امتیازی شان حاصل ہے۔ اس وقت آپ کے بیٹوں سمیت عزیز واقربا بیک وقت نو مساجد میں خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ کے زیر اہتمام طلبہ کا ایک اور طالبات کے دو مدارس علوم دینیہ کا فیض پہنچا رہے ہیں۔ آپ دو نجی ٹی وی چینلوں (اپنا ٹی وی اور لبیک ٹی وی) اور لاہور و اسلام آباد ریڈیو پر فقہی سوالات کے جوابات اور درس حدیث ارشاد فرماتے ہیں۔ تین مساجد میں جمعہ کے خطابات اور دو جگہ ہفتہ وار درس حدیث دیتے ہیں۔ قومی و بین الاقوامی سیمیناروں میں بیسیوں مقالات پیش کر چکے ہیں ہماری مراد مصر کے جامعہ الازہر میں تدریب الائمہ کا کورس کرنے والے، ساٹھ سے زائد کتابوں کے مصنف، وفاقی شرعی عدالت کے مشیر، زونل رویت ہلال کمیٹی (پنجاب) کے سابق ممبر، اتحاد بین المسلمین کمیٹی پنجاب کے سابق ممبر، جامعہ نظامیہ رضویہ، جامعہ ہجویریہ اور جامعہ تاجدار مدینہ کے ممتاز مدرس، جماعت اہل سنت کے مرکزی ناظم تعلیم و تبلیغ، عالم اسلام کے ممتاز ادیب، خوبصورت تحریر و تقریر کے مالک، یادگارِ اسلاف، عاجزی وانکساری کے پیکر، نمود و نمائش سے کوسوں دور، شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی محمد صدیق ہزاروی سے ہے۔ آپ نے نہایت شفقت سے ماہنامہ 'دلیلِ راہ' کی ٹیم کو اپنے قیمتی وقت سے نوازا اور ہمارے قارئین کے لیے نہایت سود مند اسباق عطا فرمائے۔ (انٹرویو پینل: ابومحی الدین، منظور حسین اختر)

سوال: تاریخ پیدائش اور مقام پیدائش؟

جواب: ۱۵ ستمبر ۱۹۴۷ء موضع چھڑھ، ڈاک خانہ چٹہ بٹہ، تحصیل و ضلع مانسہرہ (ہزارہ ڈویژن) صوبہ سرحد

سوال: والدین کے متعلق، والد صاحب بھی عالم دین تھے؟

جواب: الحمدللہ! والد ماجد مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ایک روحانی خاندان سے تھا اور میرے جد امجد کی روحانی نسبت حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی علیہ الرحمہ (چھوہر شریف ہری پور، ہزارہ) سے نہایت کامل تھی۔ اور میرے والد ماجد علیہ الرحمہ جید عالم دین تھے موضع منڈہار میں پیدا ہوئے اور منصب امامت وخطابت موضع چھڑھ میں سنبھالا اور ہم سب بھائیوں کی پیدائش موضع چھڑھ میں ہوئی، جو کشمیر روڈ پر مانسہرہ سے تقریباً بارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر سڑک کی دائیں جانب ڈیڑھ دو کلومیٹر دور پہاڑی کے اوپر واقع ہے۔ میں نے اپنے بچپن میں دیکھا کہ گاؤں کی مسجد میں ستر اسّی کے قریب طلبہ والد گرامی علیہ الرحمہ سے علم حاصل کرتے تھے، جن میں سے اکثر کا تعلق ضلع مظفر آباد سے تھا۔ آج بھی کوئی نہ کوئی عمر رسیدہ عالم دین آپ کا شاگرد موجود ہوگا۔

تحدیث نعمت کے طور پر بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے والد ماجد کی خواہش کو شرف قبولیت عطا فرمایا اس وقت آپ کے بیٹے (مجھ سمیت) اور پوتے بیک وقت نو مساجد میں جمعۃ المبارک کا خطبہ دیتے ہیں۔ آپ کے تین پوتے اور ایک پوتی شہادۃ العالمیہ کر چکے ہیں۔ ایک پوتا شہادۃ العالمیہ کا امتحان دینے والا ہے اس وقت ان کے (میرے والد ماجد علیہ الرحمہ) کے چھ پوتے اور ایک پوتی درس نظامی کی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔ جب کہ راقم کے علاوہ آپ کے دو پوتے اور دو پوتیاں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے پانچ پوتے اور دو پوتیاں حفظ قرآن مجید کی دولت سے مالا مال ہیں۔ جب کہ آپ کی اولاد کے زیر اہتمام طلبہ کا ایک اور طالبات کے دو دینی ادارے علوم دینیہ کا فیض پہنچا رہے ہیں۔ آپ کے پوتے (یعنی میرے بھتیجے) مولا حافظ محمد عمر فاروق سعیدی جماعت اہل سنت صوبہ سرحد کے چیف آرگنائزر اور تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان کے صوبائی ناظم اعلیٰ (ناظم صوبہ سرحد) ہیں اور مجلّہ 'نوید سحر' کے چیف ایڈیٹر ہیں علاوہ ازیں جامعہ اسلامیہ حنفیہ عثمان آباد مانسہرہ کے ناظم اعلیٰ ہیں اور ان کے چھوٹے بھائی حافظ محمد ضیاء الحق بہترین مدرس ہیں اور اعلیٰ پائے کے خطیب بھی۔

والدہ ماجدہ سے ہمارے والد گرامی کی دوسری شادی تھی اور ہماری والدہ اگرچہ زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں لیکن اس زمیندار گھرانے پر مذہبی چھاپ بہت گہری تھی۔ اس لیے ہم سب بھائیوں کی دینی تعلیم ان کی سرپرستی میں ہوئی کیونکہ والد ماجد کے وصال کو نصف صدی کا عرصہ گزر چکا ہے۔

سوال: ابتدائی تعلیم اور تعلیم کے مختلف مراحل؟

جواب: ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے پرائمری سکول میں حاصل کی۔ پانچویں جماعت سے مڈل کا امتحان پاس کرنے تک گورنمنٹ مڈل (اب ہائی) اسکول عطر شیشہ (کشمیر روڈ پر واقع ہے) میں تعلیم حاصل کی نویں جماعت گورنمنٹ ہائی

☆ (پاکستان)

اسکول مانسہرہ میں پڑھی (اس سال نویں کا امتحان پشاور بورڈ کے تحت ہوا تھا) دسویں جماعت گورنمنٹ ہائی اسکول نمبر۲، ایبٹ آباد میں پڑھنے کے بعد پشاور بورڈ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور بعد کے امتحانات پرائیویٹ طور پر دیئے۔ والد ماجد علیہ الرحمہ اپنی اولاد کو دینی تعلیم دلانے میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ قرآن مجید ناظرہ اور فارسی میں کریما ان سے پڑھا اور ابھی میں دوسری جماعت میں تھا کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ فارسی کی کچھ ابتدائی کتب اپنے بڑے بھائی اور مربی حضرت مولانا عبدالرشید رضوی مدظلہ سے پڑھیں جنہوں نے والد ماجد کے انتقال کے بعد جوانی کے ابتدائی مراحل میں گاؤں کی جامع مسجد میں امامت وخطابت کی ذمہ داری سنبھالی، اگرچہ بوجوہ آج کل خوابیں ناقابل اعتبار ہو گئی ہیں لیکن حقائق کو چھپانا بھی مناسب نہیں۔

جب میں ایبٹ آباد میں میٹرک کا امتحان دے رہا تھا تو والد ماجد علیہ الرحمہ بڑے بھائی کے خواب میں تشریف لائے اور میرے بارے میں فرمایا کہ اسے دینی مدرسہ میں داخل کرا دو۔ چنانچہ اسی صبح قبلہ بھائی صاحب ایبٹ آباد تشریف لائے اور خواب کے حوالے سے والد ماجد علیہ الرحمہ کا حکم سنایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر تم کالج میں پڑھنا چاہو تو میں تمہیں کالج میں داخل کرا دیتا ہوں یہ نہ سوچنا کہ بھائی کالج کے اخراجات سے گھبرا رہا ہے لیکن ہمارے والد گرامی کے علمی ذوق کی تکمیل تم سے ہو سکتی ہے۔ دراصل بڑے بھائی کا تعلیمی سلسلہ والد ماجد کے انتقال کی وجہ سے منقطع ہو گیا تھا اور ان سے چھوٹے اور مجھ سے بڑے بھائی مولانا محمد صابر بوجوہ تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکے اس لیے اب سب کی نظر اس فقیر پر تھی کہ اس کے ذریعے والد ماجد کی یہ تمنا پوری ہو سکتی ہے۔ میں نے بخوشی اس بات کو قبول کیا اور امتحان کے فوراً بعد جامعہ اسلامیہ رحمانیہ ہری پور میں داخل ہو گیا جو حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی علیہ الرحمہ نے قائم فرمایا تھا۔

۶۴-۱۹۶۳ء میں جامعہ اسلامیہ رحمانیہ ہری پور میں تعلیم حاصل کی، ۱۹۶۵ء میں قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ میں استاذ العلما علامہ محمد شریف ہزاروی مدظلہ سے اکتساب فیض کیا۔ ۶۷-۱۹۶۶ء جامع العلوم خانیوال (مرکزی جامع مسجد) سے علوم دینیہ کی تحصیل ہوئی اور ۱۹۶۸ء میں معروف دینی درسگاہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں داخلہ لیا۔ ۱۹۶۹ء کے آخر میں موقوف علیہ سے فراغت پر دستار بندی ہوئی اور پھر اسی جامعہ میں ۱۹۷۵ء میں دورۂ حدیث کیا اور الحمدللہ تنظیم المدارس کے امتحان میں ملک بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ فاضل عربی اور ایف اے کا امتحان (صرف انگلش میں) لاہور بورڈ سے پاس کیا، پھر شہادۃ العالمیہ کی بنیاد پر سیاسیات اور فارسی کے ساتھ بی اے کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔

سوال: اساتذہ کے اسما؟

جواب: اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت علامہ مولانا مہرالدین جماعتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مولانا سید زبیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مولانا مفتی ریاض الدین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مولانا غلام فرید ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مولانا حسن الدین ہاشمی زیدمجدہ، حضرت علامہ مولانا محمد شریف ہزاروی مدظلہ، حضرت علامہ مولانا قاری محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ لاہور، حضرت علامہ مولانا نور احمد ریاض مدظلہ ملتان، حضرت علامہ مفتی گل احمد خان عتیقی مدظلہ لاہور، حضرت علامہ مولانا احمد حسین علیہ الرحمہ خانیوال، حضرت علامہ مولانا عبدالمالک لقمانوی مدظلہ (ہری پور)۔

سوال: زمانہ طالب علمی میں رویہ کیسا تھا، شوق سے پڑھتے تھے یا کہ جی چرا کر؟

جواب: کوئی زیادہ شوق نہیں ہوتا تھا واجبی سا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ علمی حوالے سے شوق اس وقت پیدا ہوا جب اپنے مربی استاذ العلماء حضرت مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی اور استاذ العلما حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کی شبانہ روز جدوجہد کا قریب سے مطالعہ کیا۔

سوال: زمانہ طالب علمی کا کوئی یادگار واقعہ؟

جواب: کوئی خاص واقعہ تو یاد نہیں لیکن استادوں کی شفقت کا ایک واقعہ ہے کہ مولانا غلام فرید ہزاروی (گوجرانوالہ) کے پاس خانیوال میں پڑھتا تھا کہ محکمہ انہار کی ایک مسجد میں امامت کے فرائض ادا کرنے کی ڈیوٹی لگی۔ استادِ محترم نے نئی نئی سائیکل خریدی تھی۔ میں وہ سائیکل لے کر نماز پڑھانے چلا جاتا۔ ایک مرتبہ عشا کی نماز پڑھانے جا رہا تھا، راستے میں دائیں بائیں درخت تھے اور سڑک پر پانی کھڑا تھا۔ اچانک مخالف سمت سے ایک تیز رفتار بس آ گئی اور ایسا محسوس ہوا جیسے اب میں بس کے نیچے کچلا جاؤں گا۔ میں نے اچانک بریک لگائی۔ یوں لگا جیسے حادثہ رونما ہو چکا ہے۔ لیکن اللہ کا خاص فضل کہ میں گرا بھی نہیں۔ میں نے استاد کو ڈر کی وجہ سے کچھ نہ بتایا لیکن چند دنوں بعد ہی انہیں کسی ذریعے سے علم ہو گیا تو انھوں نے مجھ سے واقعہ کی تفصیل پوچھی میں نے عرض کیا کہ سائیکل کو کچھ نہیں ہوا تو استاد فرمانے لگے کہ سائیکل کو دفع کرو مجھے تمہاری جان کی فکر ہے۔ اس طرح انھوں نے میری ہمت بندھائی۔ استادوں کی شفقت کا یہ واقعہ میں نہیں بھولتا۔

سوال: آج کے طلبہ کے لیے کوئی سبق؟

جواب: آج کے طلبہ کے لیے یہی سبق ہے کہ دورِ حاضر کے تقاضوں کو سمجھیں اور اس حوالے سے اسلام دشمن قوتوں کے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کو سامنے رکھتے ہوئے اس طرح علم حاصل کریں کہ ان کا منہ توڑ جواب دے سکیں اور مسلم معاشرے کے لیے بھی قابل تقلید زندگی کا نمونہ پیش کریں تاکہ معاشرتی بے اعتدالیوں کا قلع قمع ہو سکے۔ عربی بول چال، قرآن مجید کی صحیح تلفظ کے ساتھ تلاوت اور تعلیماتِ اسلامی کے ابلاغ کے لیے انٹرنیشنل زبان انگریزی سیکھیں۔

سوال: بیعت کب اور کس سے ہوئے؟ بیعت کے وقت آپ کی عمر کیا تھی؟

جواب: ابتدائی طور پر غالباً ۱۹۶۶ء یا ۱۹۶۷ء میں جب خانیوال میں زیر تعلیم تھا

تو حضرت غزالیِ زماں، رازیِ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ سے شرف بیعت حاصل کیا جب آپ ایک جلسہ میں خطاب کے لیے خانیوال تشریف لائے۔ بعدازاں جب لاہور گیا تو دوبارہ آپ کے لاہور تشریف لانے پر تجدید بیعت کی۔ (سال یادنہیں) بیعت کے وقت میری عمر تقریباً بیس سال تھی۔

سوال: مرشد منتخب کرنے کی کوئی خاص وجہ؟

جواب: حضرت غزالی زماں علیہ الرحمہ کی شخصیت میں وہ تمام صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں جو ایک کامل مرشد میں ہونی چاہیے۔ علم، تقویٰ، نسبی شرافت، خاندانی نجابت، شفقت ورحمت وغیرہ۔ علاوہ ازیں اس وقت خانیوال میں جس عظیم شخصیت کی تربیت اور سرپرستی حاصل تھی اور ان سے شرف تلمذ حاصل تھا یعنی استاذ العلما حضرت علامہ مولانا غلام فرید ہزاروی علیہ الرحمہ ان کی روحانی نسبت بھی حضرت غزالیِ زماں علیہ الرحمہ سے تھی۔ تو ان وجوہ کی بنیاد پر آپ کا انتخاب یقیناً روشن مقدر کی علامت تھی۔

سوال: مرید پر شیخ کے حقوق کیا ہوتے ہیں اور شیخ پر مرید کے کیا حقوق ہوتے ہیں؟

جواب: دراصل مرید اپنے شیخ کے ہاتھوں بک چکا ہوتا ہے۔ بیعت کا لفظ 'بیع' سے بنا ہے یعنی فروخت ہو جانا اور چونکہ مرشد 'صبغۃ اللہ' (اللہ کا رنگ) کا واسطہ ہوتا ہے اس لیے مرشد کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہوتی ہے اس لیے مرشد کی محبت، اطاعت اور ادب واحترام مرید پر لازم ہوتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی اللہ والے کو مرشد بنایا جائے اور مرشد کے ذمہ مرید کے حقوق یہ ہیں کہ وہ اس کی دینی، علمی اور عملی راہنمائی کرے اور اسے ''صبغۃ اللہ'' (اللہ کے رنگ) میں رنگ دے اور صحیح مسلمان بنادے۔

سوال: مرشد میں کیا کیا صفات ہونی چاہیے؟

جواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور صدر الشریعہ حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی (مصنف بہارِ شریعت) علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ: مرشد میں چار صفات کا پایا جانا لازمی ہے۔ (۱) صحیح العقیدہ سنی ہو (۲) کم از کم اتنی عربی جانتا ہو کہ فقہی کتب سے مسائل نکال سکتا ہو۔ (۳) اس کا روحانی سلسلہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو۔ (۴) فاسق معلن نہ ہو مثلاً داڑھی منڈا اور ظاہراً بدعمل شخص مرشد نہیں بن سکتا،۔ جس طرح کوئی بدعقیدہ اور گستاخ رسول یا گستاخان رسول کو اپنا بزرگ ماننے والا مرشد نہیں ہوسکتا۔

سوال: حضرت غزالیِ زماں پیر سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ تنظیم جماعت اہل سنت کے بانی تھے اس حوالے سے آپ کچھ کہنا پسند فرمائیں گے؟

جواب: غزالیِ زماں، رازی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اہل سنت کی تنظیم اور اتحاد کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ ۱۹۴۸ء میں آپ نے سیاسی حوالے سے اہل سنت کو جمعیت علمائے پاکستان کے فورم پر اکٹھا کیا۔ غالباً ۱۹۶۲ء میں حضرت علامہ غلام جہانیاں، حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی علیہم الرحمہ اور دیگر علما کے ساتھ مدارس اسلامیہ کو منظّم کیا۔ ۱۹۷۴ء میں اسی تنظیم کی نشاۃِ ثانیہ تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان کے نام سے ہوئی اور آپ اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ اسی طرح مذہبی حوالے سے اہل سنت کو جماعت اہل سنت کے پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا آپ کا زرّیں کارنامہ ہے جو تا قیامت یاد رکھا جائے گا۔ آپ نے پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود اہل سنت کے اتحاد واتفاق کے لیے شبانہ روز جدوجہد کی اور آج الحمدللہ آپ کے جانشین اور لخت جگر حضرت علامہ پروفیسر صاحبزادہ سید مظہر سعید کاظمی مدظلہ، جماعت اہل سنت کے مرکزی امیر ہیں۔ جگر گوشہ غزالی زماں حضرت صاحبزادہ سید حامد سعید کاظمی سیاسی میدان میں اہل سنت کی نمائندگی اور قیادت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور آپ کے علمی جانشین حضرت صاحبزادہ سید ارشد سعید کاظمی تنظیم المدارس کے سینئر نائب صدر کی حیثیت سے آپ کی امانتوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔

سوال: دینی کام کرنے میں کیسی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا؟ اور ان سے کیسے نبٹے؟

جواب: الحمدللہ! دینی کاموں کے سلسلے میں رکاوٹ نہیں آئی۔ کیونکہ عام طور پر رکاوٹیں دینی اداروں کے سربراہوں یا دینی تنظیموں کی قیادت کو پیش آتی ہیں میں نے ہمیشہ خادم کی حیثیت سے کام کیا البتہ بعض بے اصول لوگوں کی وجہ سے رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل سے کام آسان ہو جاتا ہے۔

سوال: دینی کارکن کو پیش آمدہ رکاوٹوں کے موقع پر کیا کرنا چاہیے؟

جواب: ایسے موقع پر دانائی، حکمت، توکل علی اللہ ایسے اسلحہ کی ضرورت ہوتی ہے علاوہ ازیں برداشت اور صبر وتحمل کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہنے سے راستے خود بخود کھلتے جاتے ہیں۔

سوال: دینی مخلص کارکن کے لیے کوئی سبق؟

جواب: دینی مخلص کارکنوں کو حالات سے گھبرا کر اپنے مشن سے کنارہ کش نہیں ہونا چاہیے اور اس بات کو پلے باندھنا چاہیے کہ رات کی تاریکی بالآخر صبح کے اجالے میں بدلتی ہے۔ ہر ادارے اور ہر تنظیم میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی مخصوص سوچ اور عمل کے ذریعے مخلص کارکنوں کے راستے میں کانٹوں کی طرح ہوتے ہیں لیکن سمجھدار آدمی کانٹوں سے الجھنے کی بجائے ان سے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے پھولوں تک پہنچ جاتا ہے۔ کانٹوں سے الجھنے والا راستے میں دم توڑ جاتا ہے اور اگر ہمت کرلی جائے تو کانٹے منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔

سوال: اہلِ سنت وجماعت کون لوگ ہیں؟ ان کی کیا خصوصیات ہیں؟ آج کل بہت سے فرقے اپنے آپ کو اہلِ سنت کہتے ہیں پہچان کیسے ہو؟

جواب: اہلِ سنت وجماعت اپنی خصوصیات سے پہچانے جاتے ہیں اور یوں جعلی لوگوں کی پہچان آسان ہو جاتی ہے۔ اجمالی اور جامع جواب یہ ہے کہ ہر وہ کلمہ گو جو دین سے یوں وابستگی اختیار کرے کہ اس کے اعمال کی عمارت محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، احترام صحابہ کرام و اہل بیت اور صلحائے امت یعنی اولیائے کرام سے کامل وابستگی کی بنیادوں پر قائم ہو اور بقول علامہ اقبال:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

ذکر رسول اس کی جان ایمان ہو اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی اس کی پہچان ہو۔

سوال: اتحاد بین المسلمین کا حقیقی تصور کیا ہے؟

جواب: اتحاد بین المسلمین کا تصور یہ ہے کہ جو مسائل متفق علیہ ہوں ان کی تبلیغ عام ہو اور اختلافی مسائل میں اپنے صحیح موقف پر قائم رہتے ہوئے بڑی برائی کے خلاف اشتراکِ عمل اور اتحاد کی فضا قائم کی جائے۔ اپنے مسلکِ حق کا سودا کر کے اتحاد، ایمانی و روحانی موت ہے۔ ملی اور قومی مسائل کے حوالے سے میدان خالی کر کے دوسروں کے حوالے کر دینا دانشمندی نہیں ہے ورنہ نہ تو قوم معاف کرے گی اور نہ تاریخ۔

سوال: فرقہ واریت پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے؟

جواب: فرقہ واریت پر قابو پانے کی چند صورتیں ہیں: (۱) خطابات میں علمی عنصر کا پایا جانا (۲) اپنے مسلک کو گولی کے ذریعے منوانے کا کلچر ختم کرنا (۳) دولت کے حصول کے لیے تقاریر کی حوصلہ شکنی (۴) مبلغین اور خطبا کا جاہل عوام کی رضاجوئی کی بجائے تبلیغ دین کو اپنا مشن بنانا (۵) تمام مکاتب فکر کے جید علما کا متفق علیہ اور اختلافی مسائل کی نشاندہی کر کے اپنے اپنے مسلک کے لوگوں کو ضابطۂ اخلاق کا پابند کرنا۔

سوال: مختلف جہادی تنظیموں کے فلسفۂ جہاد سے اختلاف ہے یا اتفاق؟

جواب: اسلام میں 'جہاد فی سبیل اللہ' کا تصور دیا گیا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں سوال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد کلمہ حق کو بلند کرنا ہے جہاد کا مقصد فرقہ پرستی یا ملکی امن و امان کو تباہ کرنا ہو تو یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں اس سلسلے میں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کو پروان چڑھائے اس سے جہادی تنظیموں کی اصلاح ممکن ہو سکے گی ورنہ انتشار بڑھتا جائے گا۔

سوال: سیاسی طور پر اہلِ سنت کی موجودہ حالت کیسے سدھر سکتی ہے؟

جواب: جماعتی مفاد کو شخصی مفاد پر ترجیح دی جائے، قائدین اپنی فکر اور سوچ سے کام لیں، حاشیہ نشینی کی حوصلہ شکنی کی جائے، خواہشات کی قربانی دے کر کارکن بننے پر فخر کیا جائے تو انشاء اللہ حالات بہتر ہوں گے۔

سوال: کیا آپ نے عملی طور پر سیاست میں حصہ لیا؟ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا سیاست کے میدان میں علما اور مذہبی طبقہ کو آنا چاہیے، اگر ہاں تو کیسے؟

جواب: جی نہیں! کیونکہ میرے نزدیک تقسیم کار ضروری ہے۔ ہماری ناکامی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ تقسیم کار نہیں۔ میری زندگی تعلیم و تعلّم، تدریس و تصنیف و تالیف میں گزری اس لیے عملی سیاست میں حصہ لینے کے لیے وقت میں گنجائش نہیں۔ علاوہ ازیں مزاج بھی سیاسی نہیں اگر اہلِ سنت کے اربابِ فکر اور قائدین ہر شخص کے لیے اس کے ذوق اور صلاحیت کے مطابق میدان عمل کا انتخاب کریں تو بہتر نتائج نکلیں گے۔ یقیناً علما اور مذہبی طبقہ کو سیاسی میدان میں آنا چاہیے لیکن جس طرح میں نے عرض کیا دیگر علمی، فکری، روحانی میدانوں کا بھی خیال رکھا جائے، البتہ نظام مصطفیٰ کے سلسلے میں ذہن سازی ہر عالم کا فرض ہے تاکہ فکری انقلاب آئے اور ایسے لوگ قانون ساز اسمبلی میں پہنچیں جو دینِ اسلام سے مخلص ہوں۔

سوال: لاہور میں کب، کیوں اور کیسے آئے؟

جواب: ۱۹۶۷ء میں خانیوال میں زیر تعلیم تھا اور اسباق موقوف علیہ تک پہنچ چکے تھے لیکن جامعہ (جامع العلوم مرکزی جامع مسجد خانیوال) میں اس درجہ کی اضافی کتب نہ تھیں اور بار بار توجہ دلانے کے باوجود جامعہ کی انتظامیہ اس طرف متوجہ نہ ہوئی تو اپنے استاذ گرامی استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا غلام فرید ہزاروی علیہ الرحمہ (سابق ایم پی اے پنجاب اسمبلی) سے کسی دوسرے ادارے میں منتقل ہونے کی اجازت طلب کی اور اس مجبوری کی بنیاد پر انھوں نے اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ میں نے لاہور کے دو بڑے اداروں 'جامعہ نظامیہ رضویہ' اور 'جامعہ نعیمیہ' میں داخلہ کے لیے ان اداروں کے سربراہان کو خطوط بھیجے اتفاق سے جامعہ نظامیہ رضویہ کی طرف سے جواب جلد موصول ہو گیا۔ ہمارے دادا استاذ شیخ الحدیث حضرت علامہ غلام رسول رضوی رحمۃ اللہ علیہ جو جامعہ نظامیہ رضویہ کے بانی بھی تھے اور حضرت محدث اعظم پاکستان علامہ محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی وجہ سے جامعہ رضویہ فیصل آباد تشریف لے گئے تھے ان دنوں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور منتقل ہو گئے تھے اور حضرت استاذ العلماء مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ جو آپ کے تلمیذ رشید اور اس وقت جامعہ نظامیہ رضویہ کے مہتمم تھے، نے اہتمام و انصرام اور جامعہ سے متصل مسجد کی امامت و خطابت بھی اپنے استاذ گرامی کے حوالے کر دی۔ چنانچہ مجھے داخلہ کی اجازت کا خط حضرت علامہ غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا (کچھ دنوں بعد آپ واپس فیصل آباد تشریف لے گئے تھے)

سوال: جامعہ نظامیہ آپ کے سامنے معرض وجود میں آیا اس کی تاریخ کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں۔ ان دنوں کی یادیں؟

جواب: الحمدللہ! اس ناچیز کے ۳۹ سال جامعہ نظامیہ رضویہ میں نہ صرف گزرے بلکہ جس قدر ممکن ہوا بھرپور خدمات انجام دینے کا شرف بھی حاصل رہا۔ ۱۹۶۸ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۹ء میں درس نظامی (موقوف علیہ) سے فراغت پر دستار بندی ہوئی اس وقت میں کنک منڈی کی مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ سالانہ جلسہ دستار فضیلت کے موقع پر جامعہ نظامیہ رضویہ کے ناظم دفتر حضرت مولانا غلام فرید ہزاروی کے بڑے بھائی کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ خاندانی ذمہ داریوں کی وجہ سے وہ وقتی طور پر جامعہ سے کنارہ کش ہو گئے اس لیے حضرت استاذ محترم مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے مسجد سے استعفیٰ دے کر جامعہ میں آنے کا حکم فرمایا اور جامعہ کے دفتری امور اور جامع مسجد خراسیاں میں امامت و خطابت کی عارضی ذمہ داری سونپ

دی اور ساتھ ہی فرمایا کہ جب جامعہ نظامیہ رضویہ میں دورہ حدیث کا آغاز ہوگا تو یہاں دورہ پڑھ لینا جب کہ میرے دیگر ساتھی جن میں حضرت علامہ مولانا عبد التواب صدیقی بھی شامل ہیں۔ دورہ حدیث کے لیے مختلف مدارس میں چلے گئے۔

دوسرے سال جب مولانا غلام فرید ہزاروی واپس آ گئے تو مجھے تدریس کی ذمہ داری سونپ دی گئی اور ۱۹۷۵ء میں جب جامعہ میں دورۂ حدیث شروع ہوا تو میں نے دورہ کیا اور الحمدللہ تنظیم المدارس کے امتحان میں ملک بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ محکمہ اوقاف میں میری تقرری ہوگئی اور جامع مسجد خراسیان میں خطابت اور امامت کی مستقل ذمہ داری سنبھال لی۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے بڑے اسباق پڑھاتے اور اس کے ساتھ ساتھ عمارت کے لیے نقشہ کی منظوری اور جامعہ کے اخراجات کے لیے فنڈز کی فراہمی کے لیے جدو جہد بھی فرماتے تھے۔ اس لیے ضروری تھا کہ جامعہ کے اندرونی معاملات سے آپ کو اطمینان حاصل ہو لہٰذا دارالاقامہ کی ذمہ داری حضرت مولانا غلام فرید ہزاروی نے سنبھالی اور تعلیمی نظام کے حوالے سے راقم نے اپنا کردار ادا کیا۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے بھرپور اعتماد نے ناچیز کے جذبہ محنت کو دو چند کر دیا اور یوں میں نے امتحانی نظام قائم کیا اور لائبریری قائم کی اس وقت تک چند درسی کتب تھیں جو جامعہ کے دفتر میں ایک الماری میں رکھی گئی تھیں۔ جامعہ کے متصل محلّہ خراسیاں کے چند نوجوانوں نے انجمن احیاء الاسلام کے نام سے ایک تنظیم قائم کر رکھی تھی جس کے تحت ایک پبلک لائبریری بنائی گئی بوجوہ انجمن قائم نہ رہ سکی اور لائبریری کی کتب جامعہ کو مل گئیں تو میں نے اس کمرے میں جہاں بعد میں مکتبہ قادریہ بنایا گیا لائبریری بنائی اور جناب پروفیسر شاہ فرید الحق سے اس کا افتتاح کروایا۔ بعد میں لائبریری مختلف کمروں میں منتقل ہوتی رہی۔ الحمدللہ! اس کے آغاز اور روز افزوں ترقی کا اعزاز اس ناچیز کو حاصل ہوا۔ ۱۹۷۶ء میں تنظیم المدارس کے دفتر کا مکمل نظام بھی راقم کی ذمہ داری میں دے دیا گیا۔ الحمدللہ! راقم نے کسی لالچ کے بغیر یہ تمام ذمہ داریاں نہایت دیانت داری سے نبھائیں اس کے ساتھ ہی جامعہ میں طلبہ کی بزم، ''بزم رضا'' کو فروغ دیا۔ انجمن اتحاد الطلبۃ المدارس العربیہ قائم کی اور جامعہ میں انجمن طلبائے اسلام کی شاخ قائم کی۔

اس وقت حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ کی نئی عمارت کی تعمیر کے لیے جدو جہد جاری رکھے ہوئے تھے۔ چونکہ جامعہ کے اندر کارپوریشن کا پرائمری اسکول قائم تھا جو نقشہ کی منظوری میں رکاوٹ تھا۔ آپ بڑی حکمت عملی کے ساتھ اس مسئلہ سے نبٹے اور نقشہ کی منظوری حاصل کی۔

علاوہ ازیں محلے کے چند بدقماش لوگوں نے جامعہ کے ایک حصے پر قبضہ قائم کر رکھا تھا اور وہ لوگ اس وقت کی برسر اقتدار پارٹی کے کارکن تھے چنانچہ وہ لوگ جامعہ کی تعمیر میں رکاوٹ تھے۔ حضرت استاذ مکرم کو بڑی جدو جہد کرنا پڑی جس پامردی سے آپ نے ان کا مقابلہ کیا یہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ اس وقت آپ کے جن شاگردوں نے صبح شام آپ کے دست و بازو بن کر کام کیا اور بدمعاشی اور غنڈہ گردی کا نشانہ بنتے رہے ان میں ایک حضرت مولانا غلام فرید ہزاروی اور دوسرا راقم تھا جو چوبیس گھنٹے مشکلات سے دو چار رہتے۔ البتہ دن کے وقت حضرت مولانا عبد التواب صدیقی بھی اس سفر میں شریک تھے باقی سب لوگ بعد میں آئے ہیں۔ جامعہ نظامیہ کی تاریخ جدو جہد، محنت اور اخلاص ایسے خصائل سے بھرپور ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ کی ترقی میں بھرپور کردار ادا کیا دن دیکھا نہ رات، بارش دیکھی نہ دھوپ، بلکہ آپ نے اپنی زندگی سے سکون اور آرام نام کی ہر چیز کو خارج کر دیا۔ الحمدللہ! آپ کی اسی محنت کے نتیجے میں نہ صرف لاہور میں جامعہ کی عالیشان عمارت کھڑی ہوگئی بلکہ شیخوپورہ میں کئی فلک پوش عمارتیں اس مرد مجاہد کی دین دوستی، علم پروری اور اخلاص کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ جب راقم نے لائبریری کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو نظامت تعلیم سے اور اس کے بعد لائبریری کی خدمات سے دستبردار ہو گیا کیونکہ اب تدریس اور تنظیم کی اہم ذمہ داریوں کی وجہ سے ضروری ہو گیا تھا کہ یہ کام دوسرے حضرات کے سپرد کر دیا جائے۔

سوال: حال ہی میں آپ نے جامعہ نظامیہ میں تدریس چھوڑی ہے اس کی کوئی خاص وجہ؟

جواب: اس کی دو وجہیں ہیں ایک تو قضا و قدر کا فیصلہ اور دوسری وجہ راقم کی اصول پسندی اور حساس طبیعت۔ (اتنا ہی کافی ہے)

سوال: آپ کی نظر میں دور حاضر کا بے مثل عالم دین کون؟

جواب: ہر وہ عالم دین جو اپنے شعبے (تدریس، تصنیف، تبلیغ وغیرہ) میں اخلاص، دیانت، انتھک محنت اور عصری تقاضوں کے مطابق مصروف عمل ہے۔

سوال: زندگی میں کون کون سے سیاسی ادوار یا حکومتیں دیکھیں؟

جواب: سن شعور کو پہنچا تو ایوب خان کی حکومت تھی اس کے بعد کی تمام حکومتوں کو دیکھا۔

سوال: زندگی میں کون کون سی یادگار تحریکیں دیکھیں اور کن کن میں حصہ لیا؟

جواب: دو یادگار تحریکیں دیکھی ہیں تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء اور تحریک نظام مصطفیٰ ۱۹۷۷ء۔ تحریک ختم نبوت میں، میں اپنے علاقہ لوہاری منڈی لاہور میں مجلس تحفظ ختم نبوت کا صدر تھا۔ جلسوں جلوسوں میں شرکت کی حد تک حصہ لیا کوئی قابل ذکر بات نہیں کیونکہ دور طالبعلمی اور پھر تدریسی اور تنظیمی مصروفیات کی طرف توجہ تھی۔ سوشلسٹ لیڈر بھاشانی کے خلاف لاہور میں علمائے اہل سنت نے جلوس نکالا تو ہم نے انجمن اتحاد طلبۂ مدارس عربیہ کے تحت بھرپور شرکت کی۔ اور میں اس تنظیم کا سکرٹری جنرل تھا۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر مجھے بلایا اور دس روپے انعام دیا۔

سوال: آپ کی ازدواجی زندگی؟ شادی کب، اولاد کتنی؟

جواب: ۱۹۷۴ء میں شادی ہوئی چار بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں۔

سوال: کیا بچے دینی علم حاصل کر رہے ہیں؟

جواب: الحمدللہ! بڑا بیٹا دورہ حدیث میں ہے۔ ایف اے اور فاضل عربی کر چکا

ہے۔ دوسرا بیٹا بھی درس نظامی پڑھ رہا ہے اور تیسرا بیٹا نویں جماعت کا طالب علم ہے۔

سوال: اکثر علما کے بچے علم دین کی طرف نہیں آتے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اس کی کئی وجوہ ہیں۔ ماں باپ کا ناجائز لاڈ پیار، نادان دوستوں کی مہربانیاں کہ علما کی اولاد کو صاحبزادگی کے منصب پر بٹھا دیتے ہیں۔ بعض اوقات ماحول اثر انداز ہوتا ہے۔

سوال: آپ کا پسندیدہ شاعر اور پسندیدہ شعر؟

جواب: میرے پسندیدہ شاعر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال ہیں اور پسندیدہ شعر کا تعین مشکل ہے البتہ اعلیٰ حضرت کا یہ شعر بہت پسند ہے:

پیشِ نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے

اس شعر میں محبت رسول اور شریعت کی پاسداری کا حسین امتزاج ہے اور مخالفین امام اہل سنت کے مکروہ پروپیگنڈہ کے تاروپود بکھرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سوال: اساتذہ میں کس سے متاثر ہیں؟

جواب: شاگرد کے لیے تمام اساتذہ مشعل راہ ہوتے ہیں البتہ جہد مسلسل اور جذبۂ خدمت دین کے حوالے سے استاذ گرامی استاذ العلماء حضرت مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی اور استاذ محترم شرفِ ملت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ متاثر ہوں۔

سوال: محبت کیا ہے؟

جواب: اخلاص کو محبت کا نام دیا جائے تو زیادہ مناسب ہے کیونکہ محبت محبوب کے لیے سب کچھ فنا کر دینے کا نام ہے جو اخلاص کے بغیر ممکن نہیں۔

سوال: آپ کے نزدیک 'زندگی' کی تعریف؟

جواب: پیدائش اور موت کے درمیان وہ وقت جو ابدی زندگی کی راہیں کھول دے۔

سوال: زندگی کا وہ حصہ جسے آواز دینے کو جی چاہے؟

جواب: بچپن کا دور جب کسی بات کی پریشانی نہ ہوتی تھی۔

سوال: زندگی میں کسی چیز کی کمی محسوس کرتے ہیں؟

جواب: دنیوی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ اخروی فکر کی کمی محسوس کرتا ہوں۔

سوال: پسندیدہ موسم؟

جواب: موسم سرما جس کی طویل راتوں میں تصنیف و تالیف کے لیے کافی وقت مل جاتا ہے۔

سوال: چوبیس گھنٹوں میں کون سا وقت اچھا لگتا ہے؟

جواب: صبح کا وقت اچھا لگتا ہے جب نئی زندگی ملتی ہے۔

سوال: زندگی کا خوبصورت ترین دن؟

جواب: ۱۹۸۶ء کا وہ دن جب صبح ناشتہ کے وقت سے رات عشا کے بعد تک پورا دن اپنے مرشد گرامی حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔

سوال: قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں کون سا دور حکومت اچھا تھا؟

جواب: ہر پہلا دور بعد والے دور سے بہتر تھا نظام مصطفیٰ کے حوالے سے کوئی دور بھی بہتر نہیں رہا۔

سوال: بار بار سمجھانے پر بھی اگر کوئی نہ مانے یا نہ سمجھے تو کیا کرتے ہیں؟

جواب: کوشش جاری رکھی جائے اور انداز بدل لیا جائے کیونکہ کوشش کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

سوال: بادل، بارش یا دھوپ کیا اچھا لگتا ہے؟

جواب: سردیوں میں دھوپ اور گرمیوں میں بادل اور بارش

سوال: بیرونِ ملک جانے کا اتفاق ہوا؟

جواب: الحمد للہ! بیرون ملک دو مقدس سفر کیے۔ پہلا سفر ۱۹۹۴ء میں حرمین طیبین کا اور دوسرا سفر ۲۰۰۴ء میں مصر کا جہاں جامعہ ازہر میں تدریب الائمہ کورس میں شریک ہوا۔

سوال: دیہات اچھے لگتے ہیں یا شہر؟

جواب: اپنے اپنے حوالے سے دونوں اچھے لگتے ہیں بہرحال وسائل مہیا ہوں تو دیہات کے پرفضا ماحول کا کیا کہنا۔

سوال: پہاڑ، ریگستان یا جنگل کیا اچھا لگتا ہے؟

جواب: کبھی تجربہ نہیں ہوا۔

سوال: چاندنی کیسی لگتی ہے؟

جواب: چاندنی بہت اچھی لگتی ہے۔

سوال: کامیابی کے لیے کس بات پر یقین رکھتے ہیں؟

جواب: جدوجہد کے ساتھ ساتھ بزرگوں کی دعا۔

سوال: زندگی میں کبھی کسی ناکامی کا بھی سامنا کرنا پڑا؟

جواب: الحمد للہ! کبھی ناکامی کا سامنا نہیں ہوا۔ بعض اوقات ظاہری ناکامی ہوتی ہے لیکن میرے نزدیک ناکامی اپنے مشن سے پھر جانے کا نام ہے۔

سوال: قبولیت دعا کا وقت ہو تو اللہ سے کیا مانگیں گے؟

جواب: حرمین طیبین کی حاضری، اولاد کی صالحیت اور خاتمہ بالایمان۔

سوال: آپ کا پسندیدہ لباس؟

جواب: سفید رنگ کی قمیص اور شلوار۔ اگرچہ مجبوراً بعض اوقات دوسرے رنگ کا لباس بھی پہن لیتا ہوں لیکن جمعۃ المبارکہ اور عیدین کے لیے سفید لباس پہننا لازم کر رکھا ہے

سوال: آپ کی پہلی تصنیف؟

جواب: 'تعارف علمائے اہل سنت' جو تنظیم المدارس کے امتحان درجہ عالمیہ کے لیے لکھا گیا مقالہ تھا۔

سوال: آپ کی سب سے پہلی تقریر؟

جواب: اسکول کے زمانے میں تقریر نہیں کی جامعہ رحمانیہ ہری پور میں داخلہ کے بعد بزم میں سب سے پہلی تقریر کی تھی۔

سوال: آپ کا سب سے پہلا شاگرد؟

جواب: فراغت کے بعد جامعہ نظامیہ رضویہ میں تدریس شروع کی تو صرف کی کلاس میں کئی طلبہ تھے کسی ایک کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔

سوال: ادارہ جس میں آپ نے سب سے پہلے تدریس شروع کی؟

جواب: سب سے پہلے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں تدریس شروع کی۔

سوال: آپ نے احیاء العلوم کا ترجمہ کیا امام غزالی کے بارے میں اس کتاب کی روشنی میں آپ کیا کہنا چاہیں گے؟

جواب: حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ واقعی علم کا سمندر اور تقویٰ کا صحیح نمونہ تھے۔ان کی تحریر قاری کی زندگی میں انقلاب پیدا کرتی ہے۔

سوال: علمی اور ادبی حوالے سے آج کل آپ کن موضوعات پر لکھ رہے ہیں؟

جواب: الحمدللہ! مجھے حدیث اور تصوف کی کتب کے تراجم کا شرف حاصل ہے۔ حال ہی میں سنن ابی داؤد اور رسالہ قشیریہ کا ترجمہ مکمل کیا ہے۔

سوال: آپ کی مطبوعہ تصانیف کی تعداد کتنی ہے؟

جواب: ساٹھ کے لگ بھگ ہے۔

سوال: کیا آپ اپنی تصانیف میں غیر مطبوعہ مسودات کی تفصیل بتانا پسند فرمائیں گے؟

جواب: الحمدللہ! جو کچھ لکھا وہ زیور طبع سے آراستہ ہوا۔حضرت امام ابو یوسف پر عربی میں مقالہ غیر مطبوعہ ہے۔اسلام آباد ریڈیو کے پروگرام حَیّ علیٰ الفلاح کے حوالے سے درس حدیث کے سلسلہ میں بے شمار تقاریر موجود ہیں جن کو یکجا کر کے طباعت کا ارادہ ہے۔

سوال: جمعہ کے خطبات میں آپ کی موضوعی ترتیب کیا ہوتی ہے؟ تیاری کا انداز کیا ہوتا ہے؟

جواب: حالات حاضرہ کو پیش نظر رکھتا ہوں۔اخلاقی موضوعات کو ترجیح دی جاتی ہے اور ضمناً عقائد اہل سنت کا بیان بھی ہوتا ہے تیاری کا وقت نہیں ملتا تاہم تائید ایزدی شامل ہوتی ہے کسی آیت یا حدیث کا انتخاب کیا جاتا ہے اور بوقت بیان ذہن کھلتا جاتا ہے (الحمدللہ)

سوال: زندگی میں کبھی عشق بھی کیا؟

جواب: قلم و قرطاس سے بے حد عشق ہے۔

سوال: زندگی میں سب سے زیادہ صدمہ کب ہوا؟

جواب: جب ۱۹۹۴ء میں شفیق والدہ کا سایہ سر سے اٹھا پھر ۲۰۰۳ء اپنی مادر علمی کے یتیم ہونے کے بعد دگرگوں حالات دیکھنا پڑے۔

سوال: تنہائی اچھی لگتی ہے یا محفل؟

جواب: تنہائی پسند ہے البتہ تدریس کی محفل اچھی لگتی ہے۔

سوال: سورج طلوع ہونے کا منظر اچھا لگتا ہے یا غروب ہونے کا؟

جواب: کبھی ان مناظر کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا لیکن طلوع آفتاب روشنی لے کر آتا ہے اس لیے یہ بہت خوبصورت منظر ہوتا ہے۔

سوال: کسی شخصیت کے ساتھ ملاقات جسے آپ بھول نہ سکتے ہوں؟

جواب: بہت سی روحانی علمی شخصیات سے ملاقاتیں ناقابل فراموش ہیں۔ بالخصوص اپنے مرشد گرامی حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آخری ملاقات جو صبح سے شام تک رہی اور حصول فیضان کا ناقابل فراموش موقع ملا۔

سوال: کوئی پچاس سال بعد یہ انٹرویو پڑھے تو اسے آپ کیا کہنا چاہیں گے؟

جواب: اسے یہی کہوں گا کہ قرب قیامت کی وجہ سے آپ سخت ابتلا کے دور سے گزر رہے ہیں اپنے ایمان کو مضبوط کیجیے۔

سوال: انسانی زندگی کے بارے میں آپ کا تجزیہ کیا ہے؟ اس میں انسانی ارادہ اور اختیار کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور محض نہیں بنایا۔اس کا ارادہ انقلاب پیدا کر سکتا ہے لیکن اس کے اختیار کی لگام شریعت کے ہاتھ میں ہونا ضروری ہے۔

سوال: زندگی کے مختلف مراحل دیکھنے اور تجربہ حاصل کرنے کے بعد آپ 'دوستی' کے متعلق کیا کہنا چاہیں گے؟ دوست کسے کہتے ہیں؟

جواب: یہ دور بہت نازک ہے۔مفاد پرستی زوروں پر ہے۔بہرحال دوست کے بارے میں یہ شعر بہت اہم ہے:

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

اس سلسلہ میں تجربات بہت تلخ ہیں اس لیے کسی سے دوستی نہیں کی اعتدال کی راہ پر چلتا ہوں۔

سوال: کوئی ایسی بات جو آپ ہمارے سوال کے بغیر کہنا چاہیں؟

جواب: آپ کوئی سوال کریں تو جواب عرض کروں گا ویسے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ سوال کا جواب لازم ہو جاتا ہے

سوال: خطیبوں میں کس سے متاثر ہیں؟

جواب: ہر وہ خطیب جس کی تقریر مؤثر ہو اور اس کا اثر دیرپا ہو۔وقتی جذبات سے کھیلنے والا نہ ہو۔ ماضی میں دو شخصیتوں کی تقریر بہت پسند تھی (۱) حضرت علامہ شجاعت علی قادری اور حضرت علامہ قاضی عبدالنبی کوکب رحمۃ اللہ علیہما اس وقت چار شخصیتوں کی تقریر سے متاثر ہوں: مفکر اسلام حضرت علامہ سید ریاض حسین شاہ مدظلہ، جگر گوشہ غزالی زماں حضرت علامہ سید حامد سعید کاظمی زید مجدہ، حضرت

باقی صفحہ 42 پر

محمد عابد رضا مصباحی ☆

مزاراتِ اولیا کا تحفظ مسلمانانِ عالم کا عظیم فریضہ

دیکھیے روبہ زوال دنیا کیا کیا نہ رنگ دِکھائے۔ اسلام کے تحفظ و بقا کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کا جو سلسلہ شروع ہوا اس کی آخری کڑی ہمارے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ امت کی رہبری کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ اولیائے کرام کو پیدا فرماتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ فتنۂ وہابیہ کے ظہور سے قبل امتِ مسلمہ انھیں اولیائے کرام کے دامن سے وابستہ ہو کر منازلِ صراطِ مستقیم طے کرتی رہی اور آج بھی کر رہی ہے اور کرتی رہے گی، کیونکہ اولیائے ربانی گم گشتگانِ راہ کو ہدایت و رہنمائی کے لیے خلوصِ دل اور پاکیزگیِ قلب کے ساتھ کوشاں رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان ان سے زندگی اور مابعد زندگی اپنا رشتہ استوار رکھتے ہیں، ان کی ہمت و حوصلہ و جذبۂ ایمانی قائم رہتا ہے اور بعد وفات ان کے مزارات کو ادب واحترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لیے کہ یہ اللہ کے مقدس بندے تھے جو حیات اور بعد حیات ہمارے درد کا مداوا کرتے ہیں۔

انھیں برگزیدہ اولیا کی بارگاہ کے بارے میں قرآن مقدس نے تنبیہ کرتے ہوئے اعلان کیا:

اَلَااِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْن (یونس:۶۲)

سن لو! بے شک اللہ کے ولیوں کو نہ کچھ خوف ہے اور نہ کوئی غم۔ (کنزالایمان)

ان برگزیدہ ہستیوں کو کسی طرح کا کوئی خوف وغم نہیں ہوتا ہے بلکہ خوف زدہ و پریشان حال انسانیت ان کے در دولت پر جا کر اپنے رنج والم کو دور کرتی ہے کیونکہ ان کا حال تو یہ ہوتا ہے مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو گیا، اور پھر ان برگزیدہ شخصیتوں کے بارے میں اعلان ہوتا ہے:

من عاد لی ولیاً فقد آذنتہ بالحرب (بخاری) جس نے میرے کسی دوست سے عداوت رکھی میں اس کو اعلانِ جنگ کی دعوت دیتا ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے انھیں مقدس محبوبوں کی شانِ اقدس میں جب سے یہودی لابی کی گود میں وہابی ازم نے جنم لیا ہے ان بزرگوں اور ان کے ذریعے مسلمانوں کو کافر و مشرک بنانے کا ایک بھیانک ماحول بنالیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حرمین شریفین میں محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے ایمان پر ہزاروں صحابۂ کرام کے مزارات کو نیست و نابود کر دیا گیا یہاں تک کہ جانِ کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے مزارات کے ساتھ بھی یہی کھلواڑ کیا گیا اور جوں جوں ان کا دائرہ دنیا میں پھیلتا گیا ان ظالموں نے وہاں پس پردہ مسلمانوں کو نشانہ بنایا۔

اِدھر کچھ عرصہ قبل عرب دنیا میں خصوصاً ایک گروہ پیدا ہوا ہے جو اپنے آپ کو توحید کا دعویدار کہتا ہے، مگر ان اللہ کے برگزیدہ بندوں سے بغض و عداوت کا یہ عالم ہے کہ ان مزارات کو لے کر انھوں نے امت مسلمہ میں انتشار وافتراق کا بیج بو دیا ہے اور ان مقدس مقامات کو جہاں موقع پایا نقصان پہنچانے میں دریغ نہیں کرتے۔ اب سے قبل ہمارے پڑوسی ملک پاکستان میں کئی خانقاہوں پر حملہ ہوا۔ ہمارے ملک ہند کے تاجدار خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے مزار پر حملہ ہوا، اس کے علاوہ بھی بہت سی جگہ کی رپورٹیں مل رہی ہیں، جن کو سن کر مسلمان اپنا کلیجہ مسوس کر رہ جاتا ہے۔ سوڈان، نائجیریا، افریقہ، شمالی افریقہ، افغانستان اور شمالیہ کے سرحدی علاقوں میں یہ ظالم دندناتے پھرتے ہیں اور جہاں مزارات کو دیکھا کہ لوگ کثرت سے ان کے عقیدت مند ہیں وہاں پر بموں کے ذریعے مزارات کو شہید کرتے ہیں، خود کو ''انصار المسلمین'' کہتے ہیں، مگر مسلمانوں اور ان کے بزرگوں کا جس بے دردی سے یہ قتل کرتے ہیں وہ خون کے آنسو رُلانے کے لیے کافی ہے۔ ہمارے ایک قریبی دوست مولانا فیض احمد مصباحی پچھلے کئی سالوں سے افریقہ میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، ان سے میں نے فون کر کے معلوم کیا تو رو کر فرمانے لگے کہ حضرت ان ظالموں کی شقاوت کا کیا کہنا! ان ظالموں نے اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کو جو اپنی قبروں میں کئی کئی سالوں سے آرام فرما رہے تھے، جن کی مبارک نعشوں کو زمین نے دھبہ تک نہیں لگایا تھا، قبروں سے نکال کر سولی پر لٹکایا اور پھر بموں سے برباد کر دیا۔ بات روک کر ہم یہاں اس بات کو ذکر کرنا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کی حفاظت کرتا ہے مگر کہتے ہیں کہ خدا کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔ خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔ ان ظالموں سے جلد دُنیا دیکھے گی اللہ رب العزت کیسا بدلہ لیتا ہے۔ ہم تو قوم مسلم کو بس یہ پیغام دیں گے کہ خدارا اب بھی بیدار ہو جاؤ! ہوش میں آؤ! جاگو خوابِ غفلت سے! بیدار ہو جاؤ کیونکہ:

جاگو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

مقامِ غور ہے کہ ایک ایسا دشمن جو اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے ختم کر دینا چاہتا ہے مگر دیکھو ہتھیار کون سا لے کر آیا ہے۔ جواز کے لیے اپنا نام انصار المسلمین رکھا اور حدیث نبوی کا سہارا لے کر کہ کبھی قبر پکی نہ بنائی جائے، عالم اسلام پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے۔ اگر ان ظالموں کا اسلام سے کوئی دور کا رشتہ بھی ہوتا تو یہ اہل اللہ کو اس طرح تکلیف نہ پہنچاتے کیونکہ حدیث پاک میں

☆ خطیب وامام سنی مدینہ مسجد، کدل واڑی، پونہ، موبائل: 09540786099

اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو اپنا دوست فرمایا ہے، ان سے دشمنی کو اپنی دشمنی فرمایا ہے اور آپ دیکھیں اللہ کے پیارے نبی جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مردہ کو تکلیف نہ پہنچاؤ، قبروں پر نہ بیٹھو، قبروں پر نہ چلو کہ مردہ کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ تو عام مسلمانوں کے بارے میں حکم ہے اور خاصانِ خدا کا مقام تو اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ ان ظالموں کو یہ پیغام نظر نہیں آتا، اس کو دیکھنے کے لیے بصیرت سلب ہو جاتی ہے اور پھر اگر ان کا تعلق مسلمانوں سے ہوتا تو بالضرور وہ ان پر غور کرتے۔ یہ سب یہود کے گروہ ہیں جو بنام اسلام اسلام کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ابھی آپ نے پڑھا ہوگا کہ فلسطین میں کچھ شر پسند یہودیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر پر حملہ کیا اور اس کو منہدم کرنے کی کوشش کی اور ارضِ مقدس کو ایک زمانے سے نیست و نابود کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ آئے دن وہاں کے تعلق سے دل دوز واقعات سننے کو مل رہے ہیں۔ حالیہ تازہ خبروں کے مطابق یہودیوں نے القدس کی مقدس سرزمین پر مسلمانوں کی قدیم چار عمارتوں کو مسمار کر ڈالا جن کا تعلق اسلام کی ثقافت سے تھا۔ اب اگر غور کریں تو اس نتیجہ تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی کہ نام اور چہرے الگ الگ ہیں، کام دونوں کا ایک ہے۔

مالی (افریقہ) میں جو گھناؤنا کھیل اولیائے کرام کے مزارات کو بم دھاکوں سے اُڑا کر کھیلا گیا، دُنیا میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی، مگر جائے حیرت ہے کہ اقوامِ متحدہ نے اس کی مذمت کی مگر عرب کے شاہزادے خوابِ خرگوش کے مزے لوٹتے رہے۔ خون کے آنسو رونے کو جی چاہتا ہے۔ اقوامِ متحدہ نے جو رپورٹ دی ہے بہت بھیانک ہے۔ رپورٹ میں لکھا گیا ہے کہ: ''مالی میں اسلامی شدت پسندوں کے ہاتھوں ٹمبکٹو میں مزارات کو بم سے اُڑانے کی شدید مذمت کی ہے اور دُکھ کا اظہار کیا ہے۔ اقوامِ متحدہ کی تنظیم یونیسکو کی خاتون چیئرمین نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ ان دھماکوں میں وہ لوگ ملوث ہیں جنھوں نے مزارات کو وجہ نزاع بنا رکھا ہے۔ اس سے قبل شمالی مالی میں سرگرم شدت پسند گروپ 'انصار الدین' کے ترجمان نے فرانسیسی خبر رساں ایجنسی کو دھمکی آمیز لہجے میں بتایا کہ وہ ملک کے موجودہ تمام مزارات کو دھماکوں سے تباہ کریں گے۔ ترجمان نے ٹمکٹو شہر میں اولیائے کرام کے مزارات کو شرک کے اڈّے قرار دیتے ہوئے کہا کہ انھیں ملیامیٹ کر دیا جائے گا۔ اس درد کو اقوامِ متحدہ نے محسوس کیا ہو یا نہ کیا ہو یہ تو وہ جانے، مگر اس نے عالمی برادری سے ان مزارات کے تحفظ کو یقینی بنانے کی اپیل کی ہے۔ اب عالمِ اسلام کی برادری کتنی بیدار ہوتی ہے اور ہمارے برصغیر کے مسلمانوں کا کیا ردِّ عمل ظاہر ہوتا ہے یہ ایک سوال ہے، کیونکہ یہی عناصر ہمارے ملک میں بھی سرگرم نظر آ رہے ہیں اور مزاراتِ اولیائے کرام کو شرک کے اڈّے بتا کر بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں اور اس کے خلاف منظم سازشیں کر رہے ہیں۔ ایسے وقت میں ہم اپنے مسلم قائدین سے گزارش کریں گے کہ خدارا اب بھی جاگیں اور قوم کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچائیں، ورنہ جو حشر دُنیا میں مسلمانوں کا ہو رہا ہے وہی ہوا ہمارے اس پر امن ملک میں بھی چلنے کو پر تول رہی ہے۔ ◻◻

بقیہ:— جدوجہد کے ساتھ بزرگوں کی دعا کامیابی کے لیے ضروری

علامہ مفتی منیب الرحمٰن مدظلہ اور حضرت علامہ حافظ خان محمد قادری دامت برکاتہم۔ علاوہ ازیں علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کا انداز خطابت بھی بہت عمدہ ہے۔ (اگر ماضی کے اکابر کی بات ہو تو غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر اپنی مثال آپ ہوتی تھی)

تصنیفات، تالیفات و تراجم

تــراجم: (۱) طحاوی شریف (۲) ترمذی شریف (۳) مسلم شریف (۴) ابوداؤد شریف (۵) تنبیہ المغترین (۶) احیاء العلوم (۷) جلاء الافہام (۸) مواہب اللدنیہ (۹) نور الایضاح (۱۰) ریاض الصالحین (۱۱) کتاب الآثار (۱۲) حصن حصین (۱۳) غنیۃ الطالبین (۱۴) اربعین نووی (۱۵) مسند اسحاق بن راہویہ (۱۶) کتاب الکبائر (۱۷) سنن دارمی (۱۸) فتاویٰ قاضی خان (۱۹) رسالہ قشیریہ (۲۰) الانوار القدسیہ۔

تـصـنیفات و تالیفات: (۲۱) تعلیم نماز (۲۲) مضامین ماہ رمضان (۲۳) قربانی (۲۴) تقسیم وراثت (۲۵) تجہیز و تکفین (۲۶) تحقیق طلاق (۲۷) تحقیق حلالہ (۲۸) وسیلہ کیا ہے؟ (۲۹) قرآن سے علاج (۳۰) عرفان القرآن (۳۱) عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۳۲) اعضاء کی پیوندکاری (۳۳) سیدی مفتی اعظم (۳۴) سیرت کوئز (۳۵) تعلیمات شاہ جیلاں (۳۶) عورتوں کی نماز (۳۷) تعزیتی اجتماع اور قرآن خوانی (۳۸) کنز الایمان تفاسیر کی روشنی میں (۳۹) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیتیں (۴۰) تجلیات اعتکاف (۴۱) دلوں کو موم کرنے والی باتیں (۴۲) مقالات تعارف (۴۳) قربانی صرف تین دن (۴۴) خطبات و مقالات (۴۵) علمی و نثری تقریریں (۴۶) بابرکت راتیں (۴۷) عقائد و عبادات (۴۸) دو نامور مجاہد (۴۹) تعلیقات رضا (۵۰) حرمت سجدہ تعظیمی (۵۱) سنت و بدعت (۵۲) پیغام حق (۵۳) تاریخ ساز شخصیات (۵۴) فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا (۵۵) پیر مہر علی شاہ اور رد قادیانیت (۵۶) سنتوں کی بہار

درسیات: (۵۷) خلاصہ حسامی (۵۸) مقدمۃ المناظرہ (۵۹) تفہیم النحو (۶۰) اصول الشاشی (سوالا جوابا) (۶۱) تلخیص اصول الشاشی (سوالا جوابا) (۶۲) ترجمہ صرف بھترال (۶۳) ترجمہ شرح مائۃ عامل (۶۴) خلاصۃ الہدایہ (۶۵) تفہیم البلاغہ (۶۶) تفہیم البیضاوی (۶۷) مراح الارواح (سوالا جوابا) (۶۸) انتخاب جلالین و مشکوٰۃ (۶۹) علم النحو (۷۰) ترجمہ تعلیم المتعلم (زیر طبع) (۷۱) مقدمۃ المیراث (عربی) (۷۲) حل شدہ پرچہ جات درجہ عالیہ (طالبات) ◻◻

سید ظفر اقبال اشرفی ☆

اُردو زبان: تاریخ کے آئینے میں

غزل کو حسن ومحبت کی جان کہتے ہیں — بدل بدل کے میری داستان کہتے ہیں
ادب نے گود میں جس کی پناہ پائی ہے — سب اہلِ فن اسے اُردو زبان کہتے ہیں

گفتگو ریختہ کی ہم سے نہ کر — یہ ہماری زبان ہے پیارے

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈالے کیس
چل خسرو گھر آپ نے سانجھ بھئی چو دیس

خواتین وحضرات! سب سے پہلے میں انسٹی ٹیوٹ آف اُردو کلچر اینڈ لٹریچر کو مبارک باد پیش کرتا ہوں جس نے اس عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد کیا اور جو اُردو زبان کے آٹھ سولہ جشن کے نام سے معنون ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُردو زبان کا ایک قرض جو ہم سب پر تھا اس کی باضابطہ ادائیگی ہو رہی ہے۔ میں پورے اعتماد سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ ہندو پاک کے بعد برطانیہ کو اس بات کی اہمیت حاصل ہو چکی ہے، جہاں اُردو زبان پر تحقیقی و تدریسی کام انجام پا رہے ہیں اور اس سرزمین پر ایک سے ایک شاعر، مصنف اور صاحبِ قلم حضرات کا وجود بھی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ برطانیہ میں بسنے والا طبقہ برصغیر ہندو پاک کے ادیبوں اور مفکروں کو اس بات کی کھلے دل سے اطلاع دینا چاہتا ہے کہ اب یہاں پر بھی اُردو زبان پر کسی نہ کسی طرح کا کام شروع ہو گیا ہے اور انشاء اللہ یہ جاری رہے گا۔ اس موقع پر مجھے داغؔ دہلوی کی ایک مشہور زمانہ شعر کو ذرا ترمیم سے پڑھنے کی اجازت دیجیے کہ:

اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلے اُردو کے مفہوم سے واقفیت حاصل کر لی جائے تاکہ مجھے اپنی بات کہنے میں آسانی ہو۔

عموماً اُردو کو لوگ فارسی کی ایک شاخ تسلیم کرتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اُردو اس ہندوی زبان کی ایک شاخ ہے جو صدیوں سے دہلی و میرٹھ کے اطراف میں بولی جاتی ہیں، جس کا تعلق شورسینی، پراکرت، ماگدی اور پشاچی سے بلاواسطہ تھا۔ یہ ایک مخلوط زبان ہے جس میں وہ سب زبانیں شامل ہیں جو کسی زمانے میں دلّی کے بازاروں میں بولی جاتی تھیں۔ اور پھر فوجیوں اور بازاروں میں بولے جانے کی وجہ سے اس زبان کی نشو ونما اور ترقی کو اس قدر تعلق ہو گیا کہ اس کا نام ہی 'اُردو' پڑ گیا جس کو ترکی زبان میں 'لشکر' کہتے ہیں۔ ہاں! مسلم حکمران کی دہلی آمد سے زبان میں ایک نیا انقلاب ضرور پیدا ہوا۔ لیکن ان حکمرانوں کی آمد سے زبان کی پیدائش کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بس یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلم حکمرانوں کی آمد اور اُردو زبان کے اُبھرنے کا زمانہ قریب قریب ایک ہے۔

ایک بات میں پورے وثوق سے آئی. یو.سی. ایل. کے پلیٹ فارم سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ لسانیات کی تمیز سے ہندوستان کی زبانوں میں فارسی وعربی الفاظ کا سایہ یا اس زبان میں داخلہ اُردو کی تخلیق کا ضامن بالکل نہیں ہے بلکہ یہ لسانی اثرات 'زبان دہلی و پیرامنش' میں نفوذ کرتے ہیں تب اُردو کا پہلا مجسمہ تیار ہوتا ہے۔

آیئے! تاریخ کے آئینہ میں صدیوں کے حوالے سے اس کا مطالعہ کریں۔

بارہویں صدی کا نصف دور ہے۔ پنجاب میں غوری حکومت ۱۱۶۷ء میں شروع ہو جاتی ہے اور پھر ۱۱۹۳ء کے آخر میں شکست کھاتی ہے۔ اس کے بعد شہاب الدین غوری اجمیر و دہلی کے آخری سمراٹ پرتھوی راج چوہان کو شکستِ فاش دے کر دہلی واجمیر پر قابض ہو جاتا ہے اور ایک بار پھر غوری سلطنت کا عروج شروع ہوتا ہے اور سلطنتِ غلامان کی داغ بیل پڑتی ہے۔ اسی کے بعد سے اُردو کی ابتدا اور آغاز کی اصل تاریخ شروع ہوتی ہے جسے متفقہ طور پر تمام ادبا و تاریخ نویسوں نے ۱۱۹۳ء مانا ہے۔

آیئے چند محققین کی رائے بھی سماعت کرتے چلیں تاکہ ایک طویل مضمون کو مختصر کرنے میں آسانی پیدا ہو جائے۔ مشہور محقق اور ہند آریائی لسانیات کے ماہر ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی نے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''اگر مسلمان ہندوستان میں نہ آتے تو جدید ہند آرائی زبانوں کے ادبی آغاز وارتقا میں ایک دو صدی کی ضرور تاخیر ہو جاتی۔''

سید سلیمان ندوی نے اپنی تصنیف 'نقوشِ سلیمانی' میں اُردو کی جائے پیدائش سندھ قرار دی ہے۔ حافظ محمد خاں شیرانی کا کہنا ہے کہ: ''وہ زبان جسے ہم 'اُردو' کہتے ہیں سرزمینِ پنجاب میں پیدا ہوئی اور وہیں سے ہجرت کے بعد دہلی پہنچی۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ جنھوں نے اُردو کے آغاز و ارتقا کے موضوع پر لندن یونیورسٹی میں لسانی تحقیق کی ہے، انھوں نے اپنی 'تصنیف ہندوستانی فونیٹکس' (مطبوعہ ۱۹۳۰ء) میں لکھا ہے کہ:

''اُردو کا سنگِ بنیاد دراصل مسلمانوں کی فتح دہلی سے بہت پہلے ہی رکھا

☆ چیئرمین: العلم فاؤنڈیشن، یوکے

جا چکا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے اُس وقت تک ایک مستقل زبان کی حیثیت نہیں حاصل کی تھی جب تک کہ مسلمانوں نے اس شہر کو اپنا پایۂ تخت نہ بنالیا۔ اُردو اس زبان سے مشتق ہے جو بالعموم نئے ہند آرائی دور میں اس خطۂ ملک میں بولی جاتی تھی جس کے ایک طرف عہدِ حاضر کا شمالی مغربی سرحدی صوبہ ہے اور دوسری طرف الہٰ آباد۔'' اور پھر کہتے ہیں کہ: ''اُردو اس زبان پر مبنی ہے جو پنجاب میں بارہویں صدی عیسوی میں بولی جاتی تھی۔''

پروفیسر مسعود حسین خاں یونیورسٹی آف علی گڑھ نے اپنی تحقیقی تصنیف 'مقدمۂ تاریخ زبان اُردو' میں لکھا ہے کہ: ''اُردو کے ارتقا میں ان تمام بولیوں کے اثرات مختلف زمانوں میں پڑتے رہے ہیں۔ ہریانی نے قدیم اُردو کی تشکیل میں حصہ لیا۔ کھڑی بولی نے جدید اُردو کا ڈول تیار کیا۔ برج بھاشا نے اُردو کا معیاری لب ولہجہ متعین کرنے میں مدد دی۔ میواتی نے قدیم اُردو پر اپنے اثر چھوڑے ہیں۔''

گراہم بیلی نے اپنی تصنیف 'اے ہسٹری آف دی اُردو (مطبوعہ لندن ۱۹۳۲ء) میں لکھا ہے: کہ ''اُردو ۱۰۲۷ء کے لگ بھگ لاہور میں پیدا ہوئی۔ قدیم پنجاب اس کی ماں ہے، قدیم کھڑی بولی اس کی سوتیلی ماں۔ برج سے براہِ راست اس کا کوئی رشتہ نہیں۔''

ان تاریخ ساز مصنفوں کی تحقیق کا جائزہ لینے کے بعد ذہن اس نتیجے پر تو پہنچ ہی جاتا ہے کہ اُردو زبان آج کی زبان نہیں ہے بلکہ اسے پیدا ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں اور باضابطہ طور پر اُردو کی پہچان ۱۱۹۳ء تو ہو ہی جاتی ہے۔ آٹھ سو سالہ جشن منانے کا محض یہی مقصد ہے، ورنہ اس زبان کا ایک ہزار سالہ جشن بھی منایا جاسکتا تھا مگر وہ جشن قرطاسی زبان کا جشن نہ ہوتا بلکہ زبانی زبان کا جشن ہوتا۔

اب ان شخصیتوں کا مطالعہ کریں جنھوں نے اُردو زبان کو فروغ دینے کے لیے اسے ایسا آبِ حیات پلایا کہ اُردو بڑھتی ہی جارہی ہے اور جو آج برصغیر سے ہزاروں میل دُور برطانیہ میں آئی۔ یو۔بی۔ایل۔ کے پلیٹ فارم پر ایک عظیم الشان کانفرنس کا خصوصی موضوع بنی ہوئی ہے۔

حضراتِ محترم! ۱۳ویں صدی کا آغاز ہوتا ہے۔ اُردو زبان کے فروغ وارتقا کا زمانہ بہت صاف تو نظر نہیں آتا مگر اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اُردو کا سب سے پہلا شاعر جو بالکل صاف وشفاف نظر آتا ہے بلاتفریقِ ادب و تاریخ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کی شہرت بحیثیت فارسی شاعر کے کسی تعارف کی محتاج نہیں لیکن انھوں نے اپنے اشعار میں اُردو الفاظ ادبی رنگ میں استعمال کیے اور پھر اُردو میں اشعار لکھے۔ بس ترتیب کچھ یوں رکھی کہ پہلے مصرع میں فارسی کا رنگ اور پھر دوسرے مصرع میں اُردو زبان کا ڈھنگ نظر آتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

زحالِ مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں نہ دارم اے جاں نہ سیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چو زلف وروزِ وصلت چو عمر کوتہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں ہمیشہ گریاں بعشق آں مہ
نہ نیند نینا نہ انگ چینا نہ آپ آویں نہ بھیجیں پتیاں
بحق روزِ وصالِ دلبر کہ داد مارا فریب خسرو
سپیدمن کو درائے راکھوں جو جان پاؤں پیا کی گھتیاں

حضرت امیر خسرو نے اِس زمانے کا اتنا خیال رکھا تھا کہ ان کے اشعار کے ذریعے زبان کے خدوخال کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان اشعار میں کہیں فارسی زبان کا جوہر ہے تو کہیں دہلی کی برج بھاشا کا چھینٹا، کہیں ٹھیٹھ کھڑی بولی کی آواز سنائی دیتی ہے، تو کہیں اُردو زبان کی لطافت۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُردو زبان کتنی زندہ زبان ہے کہ جن الفاظ کو اپنے دامنِ ادب میں لے لیا تو اسے زندہ جاوید بنا دیا۔

حضرت امیر خسرو کو قدیم اُردو زبان کا اوّل اور اہم مصنف تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ ۱۲۵۳ء میں پیدا ہوئے اور ۱۳۲۵ء میں وفات پائی۔ صوفیۂ کرام کے ملفوظات میں اُردو زبان کا بے حد دخل ملتا ہے، جن میں حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر، شیخ حمیدالدین ناگوری، شیخ بہاؤالدین باجن، شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی، حضرت امیر خسرو، حضرت بندہ نواز گیسو دراز سید محمد حسینی، حضرت شرف الدین یحییٰ منیری، حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھ، حضرت شیخ شمس الدین ولی دکنی رحمۃ اللہ علیہ اجمعین وغیرہ کے ملفوظات کا خاص طور پر ذکر کیا جاسکتا ہے۔ حضرت بابا فرید (ولادت: ۱۱۷۳ء، وفات: ۱۲۶۵ء) اپنے ملفوظات میں لکھتے ہیں:

پونوں کا چاند بھی بالا ہے ''آنکھ آئی ہے''

سکھوں کی مذہبی کتاب 'گروگرنتھ صاحب' میں بابا فرید اپنے دوہے میں کہتے ہیں:

وقت سحر وقت مناجات ہے — خیز دراں وقت کی برکات ہے
بادم خود ہمدم و شبہا و باش — محبتِ اغیار بری بات ہے

حضرت شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر (وفات: ۱۳۲۳ء مقام پانی پت) امیر خسرو کے ہم عصر تھے، فرماتے ہیں:

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روئے
بدھنا ایسی رین کو بھور کدبھی نہ ہوئے

آغازِ پندرہویں صدی کی بہت بڑی شخصیت عارف باللہ حضرت بندہ نواز گیسودراز سید محمد حسینی رحمۃ اللہ علیہ جن کی وفات ۱۴۰۲ء کے لگ بھگ گلبرگہ میں ہوئی، نے اُردوزبان کی بنیاد میں پختگی پیدا کی اور اُردوادب کا خوبصورت آغاز کیا۔ اُردومقدمہ میں حضرت بندہ نواز گیسو دراز کا نام ایجادِ اُردو میں سرفہرست ہے، جن کی معرکۃ الآرا تصانیف 'معراج العاشقین' اور 'شکارنامہ' ہیں جو بے حد مشہور ہوئیں۔ یہ کتاب اُردوادب کا ایک بہترین اور پہلا نمونہ ہے۔

اس کے بعد مخدوم الآفاق سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی اُردو زبان کے آغاز کے لیے یاد کیے جاتے ہیں جن کا وصال چودہویں صدی کے آخر میں ہوا۔ مخدوم اشرف نے ایک رسالہ لکھا اور لطف کی بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں قبر کھدوائی اور کچھ دن تک اس میں ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے اور اسی میں بیٹھ کر اس رسالہ کو مکمل کیا اور نام رکھا 'رسالۂ قبریہ' جو اُردوزبان کا اوّلین رسالہ ہے جس کے تعلق سے کہ محی الدین قادر زور نے اپنی تصنیف میں پوری وضاحت کہ ساتھ بیان کیا ہے۔

جس طرح سے مسلمان صوفیہ کرام کے کارنامے اُردوزبان کی ابتدا و فروغ کے سلسلہ میں قابلِ تحسین ہیں اسی طرح سے دوسرے مذاہب کے سادھو، سنتوں کی بھی خدمات لائقِ ستائش ہیں خصوصیت کے ساتھ نامدیو، گرونانک جی اور کبیر داس وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ نامدیو جن کا انتقال ۱۳۵۰ء میں ہوا۔ کہتے ہیں:

مائی نہ ہوتی باپ نہ ہوتے کرم نہ ہوتا کایا
ہم نہیں ہوتے تم نہیں ہوتے کون کہاں تے آیا

(جمیل جالبی کی تصنیف سے)

چند نہ ہوتا سور یہ نہ ہوتا پونی پون پلایا
شاستر نہ ہوتا وید نہ ہوتا کرم کہاں تے آیا

اسی طرح کبیر داس کو بھی سماعت کرلیں، جو اپنے دور کے ہندی واُردوزبان کے شاعر تھے وہ گویا ہیں:

ہمن ہے عشق مستانہ ہمن کو ہوشیاری کیا
رہے آزاد یا جگ سے ہمن دنیا سے یاری کیا
نہ پل بچھڑ میں پیا ہم سے نہ ہم بچھڑے پیارے سے
انھیں سے نیند لاگی ہے ہمن کو بیقراری کیا

۱۷ویں صدی کا نصف دور ہے۔ آیئے دکن چلیں اور اس شخصیت کا مطالعہ کریں جس کا نام ہے سید شمس الدین اور تخلص کردار ولی ہے، جو حیدرآباد کے اورنگ آباد شہر میں ۱۶۶۷ء کو پیدا ہوا۔ تعلیم و تربیت کے بعد جس کا بحیثیتِ شاعر نیّر اقبال چمکا تو چھوٹے چھوٹے ستارے جو آسمانِ شاعری پر اس وقت جلوہ فگن تھے اور اپنی روشنی بکھیرے ہوئے تھے اور زبان کو جلا بخش رہے تھے سب ماند پڑ گئے۔ کیونکہ اب ادب کی تیز روشنی والا آ گیا تھا۔ اب سید ولی کے انداز نگارش کو نمونہ بنایا جانے لگا۔ ان کے فکر و خیال کو اُردو ادب کی جان سمجھا جانے لگا۔ ان کے استعمال شدہ الفاظ کو اُردوزبان و ادب کا پیکر و پیرہن بنایا جانے لگا۔ اب زبان کو زبان مل گئی، ادب کو جلا مل گئی۔ دہلی کے شعرا کو مشعل راہ مل گئی، دکن کا فیضانِ ادبِ اُردو اب دہلی پر چھانے لگا۔ اور اُردو کو ترقی ملنے لگی۔ اور اُردوزبان زبانِ حال سے بول اٹھی:

جب دکن پہنچی تو میرا نام روشن ہوگیا — میرے دم سے ہر جگہ شاداب گلشن ہوگیا
دلّی کی محفل میں مجھ کو شہرت و عظمت ملی — اور بنگالہ میں لطف و ناز کی دولت ملی
رفتہ رفتہ ہر طرح آنکھوں کا تارہ ہوگئی — باہمی گفتار کا اچھا سہارا ہوگئی

حضرت شمس الدین ولی نے ایک زمانے تک حضرت شیخ سید وجیہ الدین علوی گجراتی احمد آبادی سے فیض حاصل کیا اور انھیں سے مرید بھی ہوئے اور وہیں وصال فرمایا۔ جہاں سے اُردوزبان کے جوہر کو نکھارا اور ایسا نکھارا کہ اُردو بالکل صاف شفّاف نظر آنے لگی، جس میں تصوف کا رنگ جھلکنے لگا۔ فارسی کے اثرات ضرور تھے مگر غلبہ نہ ہوسکا۔ جو بعد میں متروک بھی ہوگیا۔ اسی لیے حضرت ولی کے کلام میں نہایت سادگی ہے۔ فصیح و بلیغ و پیچیدہ استعارات سے پاک دکھائی دیتا ہے۔

چند اشعار غور فرمائیں جو تقریباً پانچ سو سال پہلے لکھے گئے:

خوب رو خوب کام کرتے ہیں — اِک نگہ میں غلام کرتے ہیں

دل ہوا ہے میرا خرابِ سخن — دیکھ کر حسن بے حجابِ سخن

شعر فہموں کی دیکھ کر گرمی — دل ہوا ہے مرا کبابِ سخن
عرفی و انوری و خاقانی — مجھ کو دیتے ہیں سب حسابِ سخن

اے ولی درد سر کبھو نہ رہے
جب ملے صندلِ و گلاب وسخن

حضراتِ محترم! ابھی آپ نے ولی کے کلام کی سادگی سماعت فرمائی، کتنی سہل عبارت ہے اور ساتھ ہی ترنّم کے جوہر بھی۔ اس دور کے بعض شعرا تو ایسا کلام لکھتے تھے۔ محسوس ہوتا ہے کہ اسی زمانے میں یہ اشعار لکھے گئے ہیں۔ ولی فرماتے ہیں:

جب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں دلبر سے
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

اِسی دور کی ایک اور اہم شخصیت جنھوں نے اُردوزبان کو تقویت بخشی،

جن کا نام سید سراج ایسا ہے، یہ بھی اورنگ آباد میں ۱۶۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے کلام کی خوبی یہ ہے کہ آسان و ذو معانی الفاظ کا پیکر پاک وصاف خیال، بناوٹ کوئی نہیں، حسن وعشق کے کرشمہ کو کہیں توحید و معرفت کا جام، خیالات میں بلندی تو مضامین میں شگفتگی، ریختہ گوئی میں ولی کے قائم مقام تھے، جن کا نام سید سراج ایسا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ جو اُردو زبان کی ارتقاو فروغ کے ضامن ہیں گواہی دیتے ہیں:

خبرِ تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پیری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی
چلی سمتِ غیب کی اِک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہالِ غم جسے دل کہیں سو ہری رہی
ترے جوش حیرت حسن کا اثر اس قدر سیں عیاں ہوا
کہ نہ آئینہ میں جلا رہی نہ پری کی جلوہ گری رہی
کیا آتشِ عشق نے دل بینوائے سراج کوں
نہ خطر رہا نہ حذر رہا مگر ایک بے خطری رہی

اس دور کے دیگر اُردو زبان کے بانی و شعرا یہ تھے:

محمد قلی قطب شاہ	وفات: ۱۶۱۱ء	کلیات
مولانا وجہی	وفات: ۱۶۰۹ء	قطب مشتری
ابن نشاطی	وفات: ۱۶۵۵ء	پھول بن
نصرتی	وفات: ۱۴۶۵ء	گلشن عشق و علی نامہ

ان شعرا نے اپنی ادبی خدمات سے اُردو زبان کو فروغ دیا جو آج تک دنیائے اُردو پر سایہ فگن ہے۔

اب اٹھارہویں صدی کا آغاز ہوتا ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اب آنکھ بند کر لی ہے جنھوں نے اُردو زبان کو بے حد فروغ دیا تھا۔ لیکن اُردو زبان اپنی لسانی قدامت کا پیرہن بدل کر اپنے ارتقا کے ایک نئے دور میں داخل ہوتی ہے۔ پنجابی، ہریانی اور برج بھاشا کے اثرات دھیرے دھیرے ختم ہونے لگتے ہیں۔ اُردو زبان کا باضابطہ عروج شروع ہونے لگتا ہے۔ اُردو زبان کھل کر مسکراتی ہے اور زبان کی شیرینی آہستہ آہستہ محسوس ہونے لگتی ہے۔

کیوں نہ ہو جس رنگ کو حضرت شمس الدین ولی نے چھوڑا تھا اب اسے دلّی کے مقتدر و معتبر شعرا نے اس زبان کو چمکا دیا تھا۔ اُردو زبان کا خوبصورت وحسین چہرہ دِکھائی دینے لگا۔ ان میں سے چند شعرا کے نام پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں اور چند شعرا کے اشعار کے نمونے پیش کرنا بھی ضروری ہے۔

مرزا عبدالقادر بیدل، شاکر ناجی، مرزا مظہرِ جانِ جاناں، میر عبدالحئی تاباں، حسرت، قدرت، خواجہ میر درد، لقا، سوز، قائم، میر حسن اور سب سے بڑا غزل کا نام میر تقی میر۔ ان کے علاوہ دیوانہ، اثر، بیاں، غلام حسن واقفی وغیرہ خاص شعرا ہیں۔ میر تقی میر فرماتے ہیں:

سرہانے میر کے آہستہ بولو ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے
نازکی ان کے لب کی کیا کہیے پنکھڑی اِک گلاب کی سی ہے

سودا کی اُردو ملاحظہ ہو— اٹھارہویں صدی کا آخری دَور۔

مقدور نہیں اس کی تجلی کی بیاں کا جوں شمع سراپا ہو گر صرف زباں تھا

پھر کہتے ہیں:

یک رنگ ہوں آتی نہیں خوشی مجھ کو دو رنگی
منکر سخن و شعر میں ابہام کا ہوں میں

اٹھارہویں صدی کے آخر اور اُنیسویں صدی کے دور کا آغاز اُردو زبان کے آغاز کا ایک شاندار زرّیں دور شروع ہوتا ہے۔ یہ دور اُردو زبان کے معراج کا دور ہے۔ اس صدی میں بھی پچھلے صدی کے کچھ شعرا اپنے کام انجام دے رہے تھے، جس میں میر حسن، درد اور میر تقی میر جو اسناد کی حیثیت رکھتے تھے، جنھیں اُردو زبان کبھی فراموش نہیں کر سکتی، جن میں میر حسن کی 'مثنوی، سحرالبیان'۔ سودا کا 'قصیدہ' اور میر تقی میر کی غزلیں اپنا جواب نہیں رکھتیں اور اب غالب کا دور ذوق کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں اُردو کے سپاہی یہ ہیں— ناسخ، آتش، بہادر شاہ ظفر، فیض، داغ، انیس، دبیر سے لے کر آزردہ، جوش لکھنوی اور امیر مینائی ہیں۔ یہ دور ۱۹۲۷ء ۱۹۰۰ء تک پھیلا ہوا ہے۔

بہادر شاہ ظفر فرماتے ہیں ؎

میں وہ مجنوں کہ زنداں میں نگہبانوں کو
میری زنجیر کی جھنکار نے سونے نہ دیا

غالب کی اُردو دیکھیں:

نینداس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

میں چاہتا ہوں کہ اب اپنی اس طویل گفتگو کو مکمل کروں اور اختتام کی جانب بڑھوں، کیونکہ یہ ایک طویل موضوع ہے اس کے لیے اور خاصا وقت درکار ہے اس وقت سودا کا ایک شعر یاد آ رہا ہے ؎

عرض کروں ہوں دُعائیہ پہ ختم
ادب کی مرضی ہے طول کلام ہو کوتاہ

اب اُنیسویں صدی سے بیسویں صدی کی جانب اُردو کی تاریخ گامزن ہے کیوں نہ ہو اب زبانِ اُردو لکھنؤ کے محلوں میں پہنچ گئی ہے اور وہاں کی فضاؤں نے وہاں کی ہواؤں نے اور خصوصیت کے ساتھ شام اودھ

نے اُردو زبان کا شاندار استقبال کیا۔ نوابینِ اودھ کا دَور ہے اُردو زبان کو حوصلہ مند زبان بنایا جا رہا ہے۔ اور ماحول اتنا پُر ادب اور پُر سکون ہو گیا کہ دلّی کے بڑے بڑے شعرا بھی لکھنؤ کی نئی نویلی دُلہن کی طرح سجی اُردو کے رخِ زیبا کا دیدار کے لیے یہاں آنے لگے اور یہاں آ کر ایسے مست ہوئے کہ یہیں کے ہو کر رہ گئے اور اُردو زبان کو خوب سے خوب پیرہن ادب سے سنوارا جانے لگا۔ تبھی تو میر علی اوسط جھوم اُٹھے اور کہا۔

ولا شعر گوئی اُٹھی لکھنؤ سے

اور اسی کے ساتھ اُردو زبان بھی پکار اُٹھی۔

شمع بن کر نازکی محفل میں بھی جلتی رہی
ہر نئے انداز کے پیمانوں میں ڈھلتی رہی
شاعروں کے دل کی دھڑکن اور رگِ جاں ہوگئی
لکھنؤ کی بزم میں جانِ غزل خواں ہوگئی

اس صدی کا سب سے بڑا فلسفی، سب سے بڑا شاعر، شاندار مفکر اور اپنے وقت میں ہر شاعر کے دل کی دھڑکن اور آج کے شعرا کی آواز اُردو زبان کا بے حد چہیتا جس پر زبان نے بھی ناز کیا ہے وہ ہم سب کا پسندیدہ ہے، جس کا تیور زبان کے حوالے سے قائدانہ، جس کا کردار اُردو زبان کے فروغ میں داعیانہ اور جس کے الفاظ میں مجاہدانہ گھن گرج سنائی دیتی ہے۔ وہ بلند خیال انسان اور اُردو زبان کا سپاہی ڈاکٹر علامہ اقبال ہیں جن کی وفات ۱۹۳۸ء میں ہوئی۔ کہتے ہیں۔

گیسوئے اُردو ابھی منت پذیر شانہ ہے
شمع یہ سودائی دلِ سوزیٔ پروانہ ہے

اخیر میں یہ بات بھی عرض کرتا چلوں کہ آج کے دَور کے اُردو زبان کے ادیب و شعرا بھی ہر لحاظ سے لائق ستائش اور جن کی اُردو خدمات قابلِ صد مبارک باد ہیں، ان میں علی سردار جعفری، عصمت چغتائی، قتیل شفائی، احمد فراز، مجروح سلطانپوری، خمار بارہ بنکوی، جمیل الدین عالی، جگن ناتھ آزاد، بشیر بدر، کرشن بہاری نور اور طارق سعید وغیرہ شامل ہیں۔

پنجاب، ہریانہ، سندھ، دہلی اور میرٹھ نے اُردو کو تلاشا، حیدرآباد دکن نے پرورش فرمائی۔ دہلی سے الہ باد تک اسے چلایا اور جوان کیا گیا۔ صوفیۂ کرام نے اس زباں کو قوت بخشی اور خوب سنوارا چمکایا۔ آخر میں لکھنؤ نے دُلہن کی طرح سجا کر عوام کے حوالے کر دیا۔

اب عوام کی مرضی ہے کہ اتنی خوبصورت اور دُلہن نما زبان کے ساتھ اپنی زندگی گزارے یا اپنی کسی غلطی کی سزا کے لیے کسی سوتن کی تلاش کرے، خصوصیت کے ساتھ یہ بات میں برصغیر کی عوام سے کہنا چاہتا ہوں۔

دل کی نازک سی ایک دھڑکن ہے — دل میں صبر و قرار ہے اُردو
کرشن و ملّا و فراق کی ہے زباں — میر و غالب کی جان ہے اُردو
سب زبانوں کی تاجدار ہے یہ — آرزوئے کلام ہے اُردو

□□

بقیہ:—— ع

بڑھا لوگوں نے کہا حضرت یہ شخص تو شرابی ہے فرمایا: روز نہیں پیتا ہوگا۔ لوگوں نے کہا: حضرت روز پیتا ہے۔ فرمایا: رمضان میں نہ پیتا ہوگا اور یہ کہہ کر اقتدا کی اور نیت باندھ لی۔ (بزم صوفیہ، ص ۳۲۴)

میرے خیال میں یہ وقت حضرت مخدوم جہاں کی شخصیت، ان کے کارنامے اور ان کے صفات کو صرف بیان کرنے کا نہیں بلکہ خود احتسابی کے عمل سے گزرنے کا وقت بھی ہے اور جب ہم اس عمل سے گزریں گے تو ہمیں خود اپنی نظروں میں گرنا ہوگا اور اگر ہم اپنی نظروں میں گرنے میں کامیاب ہو گئے تو شاید ہم نے حضرت مخدوم پر بتائے ہوئے راستے پر چلنے کا عزم شروع کر دیا۔ حضرت مخدوم کے خیال میں بندگی سراپا عجز و انکسار بنا دیتی ہے اور یہی انکساری اللہ رب العزت کی مخلوقات سے محبت کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ سچی عبادت، اس کی نشانیاں اور عابد کہلانے کا مستحق بندہ کب ہوگا اس سلسلے میں حضرت کا قول ہے :

''مردانِ راہ خود اپنے کو اس قدر ذلیل و خوار سمجھتے ہیں کہ عام مسلمان گبر و جہود تر سا کو بھی نہ سمجھے ہوں گے۔ ان کا خیال ہے کہ وہی شخص اس راہ کا مرد ہو سکتا ہے جو گبر و جہود کے در کی خاک اپنی ریش دراز سے بہارے اور اس کے دل میں اس بات سے مطلق ننگ و عار پیدا ہونے نہ پائے۔ اگر ذرہ برابر بھی ننگ پیدا ہوا تو وہ یہ سمجھے کہ ہماری خواجگی کے دامن میں ذلت کا دھبّہ آیا تو یوں سمجھو کہ ایک قدم بھی وہ اس راہ میں نہیں چلا ہے۔ اہلِ طریقت کا اجماع ہے کہ جو شخص اپنے کو فرعون سے اچھا سمجھے وہ مدبر و بدنصیب اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ خلق اللہ کی آنکھ سے اپنے کو گرانا آسان ہے۔ مردود ہے جو اپنے کو اپنی آنکھ سے گرا دے۔ ہر در سے جب تک وہ نکالا نہ جائے گا اور جب تک سب کے ہاتھوں میں کھوٹا ثابت نہ ہو چکے گا، ہر ترازو میں جب تک اس کی بے وزنی ثابت نہ ہوگی ہرگز اس کا خیال نہ کرو عبودیت کی شان اس میں آئی۔'' (مکتوبات صدی ص ۲۶۶)

حضرت مخدوم جہاں نے واضح لفظوں میں یہ تعلیم دی ہے کہ عبادت کے لیے پہلی شرط ہے بندگی اور بندگی کی پہلی شرط عجز و انکسار اور خودسپردگی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام لوگوں کو راہِ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ڈاکٹر تسنیم فاطمہ ☆

مخدوم جہاں کا تصور عبادت

مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کا نام اور کام کسی جہت سے بھی تشنۂ تعارف نہیں۔ضرورت ہے تو صرف اس بات کی کہ ان کی تعلیمات کو عام کیا جائے۔انھوں نے جو تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں یعنی ارشاد الطالبین ارشاد السالکین، رسالہ مکتبہ و ذکر فردوسیہ، فوائد المریدین، لطائف المعانی، رسالہ اشارات، رسالہ اجوبہ اور فوائد رکنی وغیرہ کے علاوہ آپ کے ملفوظات معدن المعانی، خوان پر نعمت، راحت القلوب، معد المعانی، مونس المریدین، گنج لایعنی فوائد الغیبی، مغز المعانی اور تحفۂ غیبی کے علاوہ مکتوبات، مکتوبات صدی، مکتوبات دوصدی اور مکتوبات بست و ہشت وغیرہ میں موجود حضرت کے ارشادات کو موضوعاتی طور پر ضخیم جلدوں اور کتابوں کی صورتوں سے نکال کر کتابچے کی صورت میں پیش کرنا فی زمانہ بڑا کام ہوگا اور حضرت مخدوم جہاں کا فیض عوام الناس تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکے گا اور اگر ایسا ہوا تو میرا یقین ہے کہ وہ طبقہ بھی راہِ راست کی طرف پلٹنے میں کامیاب ہوگا جو گمراہی کی دلدل میں جا پھنسا ہے۔

یہاں پر یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ حضرت مخدوم جہاں کے مختلف تصورات پر مختلف علما نے قلم فرسائی کی ہے۔ ہندی زبان میں حضرت پروفیسر سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی کی کتاب 'مخدوم جہاں جیون اور سندیش' اس مقصد سے قریب ہے، جو میرا مطمحِ نظر ہے۔اس لیے میں نے اپنے مضمون کو بھی حضرت مخدوم جہاں کی شخصیاتی تعارف سے الگ رکھا ہے اور ان کے تصور عبادت کو پڑھنے سمجھنے اور لکھنے کی کوشش کی ہے۔عبادت تقرب الٰہی کا اہم ذریعہ ہے اور حضرت مخدوم جہاں عبادت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''انسان کی نجات اور ترقی درجات بندگی کرنے پر موقوف ہے اور یہی سبب ہے کہ مشائخ قدس اللہ اسرارہم نے مشاہدات کا ذریعہ مجاہدات کو ٹھہرایا۔یہ بات کسی عاقل پہ پوشیدہ نہیں کہ مجاہدہ و ریاضت میں ایک قسم کی تاثیر ہے۔انسان تو انسان ہی ہے حیوانات تک اس سے متاثر ہوتے ہیں۔جن حیوانوں میں اس کی صلاحیت ہے وہ ریاضت قبول کریں تو بعد ریاضت کے ان کی حالت ہی دوسری ہو جاتی ہے اور ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔یہاں تک کہ اگر ایک روپیہ کی چیز ہے تو بعد تعلیم وہی شے ہزار روپے کی ہو جاتی ہے۔انسان افضل و اکمل موجودات ہے۔اس میں بہت زیادہ ریاضت کا اثر ہو سکتا ہے اور شخص مرتاض بہ سبب ریاضت کے صفات بہیمی سے نکل کر اعلیٰ درجات ملکی تک پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ اس ولایت ملکی سے ترقی کر کے عالم قدس و طہارت تک اس کی رسائی ہو سکتی ہے۔اس میں شک نہیں کہ فرشتوں میں کمال قدس ہے مگر وہ مقام معین سے آگے نہیں بڑھ سکتے یہاں آب و خاک کا معاملہ ہی دوسرا ہے وانّ الیٰ ربک المنتھٰی (تمہارا منتہی حضرت رب تک ہے)(مکتوبات صدی ص۔۲۶۹)

بندگی کی کائنات، درد، سوز، گریہ وزاری اور خود سپردگی ہے اور یہی وہ کلید ہے جو آدمی کو بندہ بناتی ہے حضرت مخدوم جہاں عبادت سے متعلق لکھتے ہیں:

''جب آدمی بندہ بن جاتا ہے تو اس کو آزادی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیر سے کسی نے پوچھا آزادی کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا عبودیت، سائل نے کہا میرا سوال تو آزادی کے بارے میں تھا۔ آپ نے فرمایا: جب تک تم بندہ نہ ہو جاؤ گے آزاد نہیں ہو سکو گے اور حقیقت حال بھی یہی ہے۔تو جو شخص آزاد نہیں ہوتا وصل سے دل شاد نہیں ہو سکتا۔ طوقِ عبودیت جس کی گردن میں ہے اس کو کیا سمجھتے ہو؟ وہ سردار عالم ہے۔ محققوں کا قول ہے کہ اگر خداوند ذوالجلال والاکرام کے خزانے میں عبودیت سے بہتر کوئی خلعت ہوتا تو وہ ضرور بالضرور قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام میں حضرت خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنایا جاتا۔''(مکتوبات صدی، ص۔۲۶۶)

حضرت مخدوم جہاں کے مطابق عجز و انکسار، بے نفسی، خشیت، خدمت خلق اور دل جوئی وغیرہ بھی بندگی اور عبادت کا حصہ ہیں۔اہل علم کے ساتھ ساتھ ایک بڑا طبقہ اس بات سے آشنا ہے کہ حضرت مخدوم نے عبادت کی نہ صرف تشریح پیش کی بلکہ اس کے عملی نمونے بھی فراہم کیے۔ریاضت و عبادت میں برسوں کی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کیں اور دشت و صحرا کو اپنا مسکن بنایا۔حضرت مخدوم جہاں کی بندگی اور دل جوئی کے لیے ''بزم صوفیہ'' مصنفہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی چند روایتیں جو معروف ہیں ان پر نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ کسی شخص نے حضرت مخدوم کو کھانے پر مدعو کیا تو انھوں نے روزہ قضا کر کے دعوت قبول کر لی اور فرمایا کہ نفل روزہ کی تو قضا ہے مگر کسی کا دل توڑنے کی قضا نہیں ہے۔(بزم صوفیہ، ص ۳۲۴)

اسی طرح ایک مرتبہ نماز کے وقت ایک شخص امامت کے لیے آگے

باقی صفحہ 47 پر

☆ پوسٹ ڈاکٹرل فیلو، یو جی سی، نئی دہلی

محمد افروز قادری چریاکوٹی ☆

یارسول اللہ! اب آئیں، دیر نہ فرمائیں

ابوظہبی کے ایک عظیم الشان اِسلامی فنکشن میں ایک ترکی نژاد بچی کے ذریعہ پیش کی گئی ایک رقت انگیز، ولولہ خیز اور ایمان افروز جذباتی ترکی نظم، جس نے لاکھوں آنکھوں کو ساون بھادوں بنا دیا اور دلوں میں حیاتِ رسولِ ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ترنگیں بھر دی۔ یقیناً اُن کیفیات کو لفظ کے کٹوروں میں سمیٹنا بہت مشکل ہے؛ لہٰذا اصل منظر دیکھنے کے لیے مندرجہ ذیل لنک (Link) پر کلک کریں۔ یہاں آپ کی ضیافت طبع کے لیے اُس کا اُردو خلاصہ پیش ہے۔ (چریاکوٹی)

اے اللہ! کہاں تیری رحمتِ بے پایاں! اور کہاں ہماری آلودۂ عصیاں زباں!! لیکن اگر تجھ سے طالبِ عنایت وکرم نہ ہوں تو پھر اور کون ہماری جھولی بھرے گا!!! یارسول اللہ! آپ کل کائنات کے لیے رحمت تمام بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ہماری کم نصیبی کہ ہم ایسے دور میں پیدا ہوئے جب آپ نے ظاہری دنیا سے پردہ فرمالیا۔ مگر آپ کی سیرتِ طیبہ کی روشنی ہمارے جسم وجاں کے رگ وریشے میں اُتری ہوئی ہے۔ سر کی آنکھیں گرچہ آپ کو دیکھنے سے قاصر ہیں، مگر دل کی آنکھیں آج بھی آپ کے دیدار سے شرف یاب ہو رہی ہیں۔ اپنی عمر مبارک کا پہلا سال آپ نے قبیلہ بنی سعد کی پر بہار فضاؤں میں گزارا۔ چونکہ دودھ پلانے والیوں نے یتیم ہونے کے باعث آپ کو قبول کرنے سے اِنکار کر دیا تھا۔ اس لیے اُس خونچکاں منظر کو دیکھ کر آسمان کے بادل برہم ونالاں ہو گئے۔ اور ایسی ناقدری قوم پر بارش کا ایک قطرہ برسانے کے روادار نہ ہوئے۔ نتیجتاً پورا قبیلہ بنی سعد شدید قحط سالی کا شکار ہو گیا۔ بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا آپ پر دل وجاں سے فدا ہو گیا، جو ہمہ وقت آپ پر سایہ کناں رہتا۔ خشکی کا یہ ہوش ربا عالم لوگوں کو ایک میدان میں کھینچ لایا جہاں بھرپور اِلحاح وزاری کے ساتھ بارش کی دعائیں مانگی جانے لگیں۔ دائی حلیمہ آپ کو اپنے سینے سے چپکائے ہوئی تھیں۔ آپ کی بلائیں لے رہی تھیں۔ اور دھوپ سے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ لیکن آسمان پر بادل کا وہ چھوٹا سا ٹکڑا ہر وقت آپ کی حفاظت کرتا اور آپ کے لیے سائبان بنا رہتا۔ نیز بادل کا وہ ٹکڑا آپ کی نگاہِ اقدس کو دیکھ کر آپ پر وارے وارے جاتا تھا۔ ہمارے جان ودل اس چشمانِ مقدس کے قربان جو آسمان کی بلندیوں کو تکتی رہتی تھیں۔ اب بادل کا وہ ٹکڑا اپھیلنا شروع ہوا اور بڑھتا گیا یہاں تک کہ بارش کے قطرے رحم کھا کر رم جھمانا شروع ہو گئے، لیکن بہت سے لوگوں کو یہ راز نہ معلوم ہو سکا کہ بارش کے اِن قطروں کے اُترنے کا باعث کون ہے؟ بلکہ ہم میں کتنے ایسے ہیں آقا جو صحیح معنوں میں آپ کی (قدر ومنزلت) جانتے ہی نہیں۔

یارسول اللہ! یہ آپ کی حیاتِ مبارکہ کا چھٹا سال ہے۔ جب والدۂ ماجدہ اور ام ایمن کے ساتھ آپ نے مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ آپ کو اس وقت اپنی یتیمی کا کس شدت سے اِحساس ہوا ہوگا جب آپ اپنے والد گرامی کی قبر سے گزرے!۔ پھر مقامِ ابوا پہنچ کر عظیم ماں کا گھنیرا سائبان بھی سر سے اُٹھ گیا۔ جس وقت آپ مکہ پہنچتے ہیں، ساتھ نہ ماں ہوتی ہے اور نہ باپ۔ اب دادا عبدالمطلب کا پیار ودلار اور ابوطالب کی شفقت وعنایت آپ کی طرف بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ یارسول اللہ! کیا مکہ کے بچوں نے کبھی آپ کی طرف سے اپنی ماؤں کو 'ماں' کہہ کے پکارا کہ آپ کو کچھ ڈھارس بندھے؟ یارسول اللہ! جب مکہ کے بچے آپ کے سامنے اپنی ماؤں کے نام لیتے ہوں گے تو اُس لمحے آپ کے دل پر کیا بیتتی ہوگی؟۔ جب وہ 'اے ماں!' کہتے تھے تو کیا آپ اس وقت اپنی نگاہ زمین کی طرف کر لیتے تھے؟ یارسول اللہ! مکہ کی ہواؤں نے خدا معلوم کتنی راتوں تک آپ کے آنسوؤں کا پیغام مقام اَبوا تک پہنچایا ہوگا! نہ معلوم آپ نے کتنی راتیں 'اے ماں'، 'میری ماں' کہہ کر روتے روتے کاٹ دی ہوں گی۔

اے مرے آقا! آپ کی خاطر ہم اپنی ماؤں کو کتنی مدت سے 'اے ماں'، 'میری ماں' کہہ کہہ کر پکار رہے ہیں۔ اے مرے سرور! آپ کی خاطر ہم اپنے باپوں کو کتنی مدت سے 'اے بابا' کہہ کہہ کر پکار رہے ہیں۔ زندگی کا پچیسواں سال آتا ہے۔ آپ کائنات کے سارے لوگوں سے بدلے بدلے معلوم ہوتے ہیں۔ کوئی آپ کی گردِ راہ کو بھی نہ پہنچ سکا۔ آپ کی بوے جاں نواز رحمت کی برکھا لے کر آتی ہے۔ آپ کی آوازِ مبارک سلامتی کے پھول برساتی ہے۔ بے شک آپ محمد صادق الامین ہیں۔ عمر مبارک جب تینتیس سال کو پہنچتی ہے، تو رحمتوں میں تموج آتا ہے۔ اب پینتیس سال کا سفر طے ہو گیا ہے۔ میرے آقا! آئیں، دیر نہ فرمائیں۔ آہیں آسمان کے دروازوں کو کھٹکھٹا رہی ہیں۔ اے میرے سرور! آئیں، دیر نہ فرمائیں۔ کریم آقا! انتظار کی آنکھیں دھندلاتی جا رہی ہیں۔ ہمارے سینوں میں دل' قرار کھو رہے ہیں۔ صبر وشکیب کے کبوتر ہاتھوں سے اُڑ جایا چاہتے ہیں۔ اے میرے ماویٰ وملجا! آئیں، دیر نہ فرمائیں۔ جبل نور کی طرف سے آپ کو مسلسل بلاوا آ رہا ہے۔ یہ عمر پاک کا چالیسواں سال ہے۔ جبل نور کے اوپر آپ غارِ حرا کے اندر تشریف لے جاتے ہیں۔ جبرئیل امین آسمان سے اُترتے ہیں۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ آپ پر درود وسلام کے گجرے نچھاور کر رہا ہے۔ ساری کائنات کے دل آپ کے فراق میں غم زدہ اور شوقِ وصال کے آرزومند ہیں۔ آپ کا وجود ہمارے لیے ایسے ہی ہے جیسے گھٹا ٹوپ اندھیرے کے بعد سپیدۂ سحر کا طلوع۔ بے شک آپ اللہ کے نبی ہیں۔ اور یقیناً آپ اللہ کے محبوب رسول ہیں۔

اے رسولِ عظیم! پھر لوگوں نے آپ کو غم زدہ کیوں کیا؟ اور آپ کو تکلیفیں

☆ ای-میل:afrozqadri@gmail.com

کیوں پہنچائیں؟ کیا اس لیے کہ ابوطالب فوت ہوگئے، تو اب انھیں آپ پر ستم ڈھانے کا موقع مل گیا؟ کیا اس لیے کہ اب بظاہر کوئی آپ کا حامی و مددگار نہ تھا، تو وہ آپ پر ٹوٹ پڑے؟ یارسول اللہ! آج بھی ہم خانۂ کعبہ کے سامنے آپ کی چشمانِ مقدس سے ٹپکتے ہوئے آنسو دیکھ رہے ہیں اور آپ فرمارہے ہیں: چچا! جلدی آجائیں۔ آپ کے بچھڑنے کا مجھے بہت ملال ہے۔ آج مجھے بے حد تنہائی کا اِحساس ہورہا ہے۔ یارسول اللہ! حرمِ مکہ میں آپ کی نمازوں کا منظر بڑا عجیب تھا۔ آپ مالک الملک کے حضور اپنی جبین اقدس جھکائے ہوتے اور یہ (کفار ناہنجار) اُس پر کوڑا کرکٹ لاکر ڈال دیتے۔ پیارے آقا! آپ کے مقدس سر پر ہمارے سر قربان جائیں۔ یہ ناہنجار آپ کو دیکھ کر ہنستے اور ٹھٹھا کرتے تھے۔ (آقا! یہ نادان تھے انھیں آپ کی قدر و منزلت کا علم نہ تھا، عناد و حسد نے انھیں اندھا کردیا تھا) مکہ کی گلی کوچوں میں آپ کی طرف دوڑ دوڑ کر وہ آنے والا کون تھا؟ وہ کون تھا، جب چلتا تو ایسا لگتا کہ عرش بالائے فلک سے اُتر پڑے گا۔ آخر یہ کون ہے؟ ایک گوشے سے جواب آتا ہے: یہ ام الصالحین فاطمہ زہرا بنت محمد ہیں (**علیها و علیٰ ابیها الصلوٰة والتحیة**) جو بڑھ بڑھ کر چشمانِ نبوت سے گرتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھتی ہیں۔ کائناتِ ارض و سما میں یہ سب سے زیادہ آپ کے مشابہ ہیں۔ جب وہ مسکراتیں اور روتیں تو ایسا لگتا کہ بس ہو بہو آپ ہی ہیں یارسول اللہ۔ گویا چشم تصور کے جھروکے سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ انھیں فرمارہے ہیں: میری لختِ جگر! نہ رو۔ (اللہ نے بہشت کی عورتوں کی سرداری تیرے نام لکھ دی ہے)

یارسول اللہ! آخر اُن ناہنجاروں نے آپ کو آپ کا محبوب وطن چھوڑنے پر کیوں مجبور کیا؟ کیا اس لیے کہ آپ تن تنہا رہ گئے تھے؟ کیا انھیں پتا نہ تھا کہ آپ کا اصل حامی و ناصر کون ہے؟ کیا انھیں خبر نہ تھی کہ عالم یتیمی میں کس نے آپ کو پناہ دے کر بہترین تربیت سے نوازا تھا؟ کیا انھیں معلوم نہ تھا کہ کس نے آپ کو کل کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے؟ کہنے والوں نے آپ کو 'شاعر و مجنون' کہا۔ لیکن آپ کے تحمل پر قربان جاؤں آقا کہ آپ نے اُن کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دھمکیاں دے کر کہتے تھے کہ اب ہم سے تمھیں کون بچائے گا؟ آپ فرماتے: اللہ عزوجل۔ اس وقت آسمان خوف و خشیت سے لرز جاتا ہوگا اور عرش کے پائے ہل جاتے ہوں گے۔

یارسول اللہ! آپ نے 'اللہ' کہا تو تین ہزار گھڑ سوار فرشتے آپ کی بارگاہ میں اُتر آئے۔ آقا! اُن ناہنجاروں کی بکواس سے آزردہ خاطر نہ ہوں۔ یہ دیکھیں ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام کی زبانیں کیا کہہ رہی ہیں: **بأبی أنت و أمی یا رسول اللّٰه**. (پیارے آقا! ہمارے ماں باپ آپ پر وارے وارے جائیں)

یارسول اللہ! مدینہ منورہ کی مبارک گلیوں میں آپ خرام ناز فرمارہے ہیں۔ بنی نجار کی چھوٹی چھوٹی بچیوں کی نظر جب آپ پر پڑتی ہے۔ عالمِ شوق و فرحت میں نہ معلوم وہ کیا کیا کہہ جاتی ہیں۔ آپ ان سے پوچھتے ہیں، کیا تمھیں مجھ سے محبت ہے؟ تو وہ بیک زباں ہوکر عرض کرتی ہیں: ہاں، یارسول اللہ! ہم آپ پر بدل و جاں فدا ہیں۔ پھر زبانِ رسالت سے ارشاد ہوتا ہے: اللہ گواہ ہے کہ میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔ یارسول اللہ! اِس دور میں بہت سے بچے اور بچیاں۔ جن کا تعلق بنو نجار سے تو نہیں لیکن پھر بھی وہ آپ پر اپنی جانیں چھڑکتے ہیں، اور آپ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔ آپ کی محبت میں اُن کی آنکھوں سے گرتے ہوئے آنسو گواہ ہیں کہ وہ اپنی جانوں سے بھی بڑھ کر آپ سے پیار کرتے ہیں۔ یارسول اللہ! آپ کے سوا بھری دنیا میں اُن کا اور ہے ہی کون!

عمر مبارک ساٹھ سال سے متجاوز ہوتی ہے تو زبانِ مبارک سے نکلتا ہے: الرفیق الاعلیٰ۔ آپ ایک روز اُون کا ایک خوبصورت جبہ زیب تن فرماتے ہیں جو خاص آپ ہی کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ جس کے کونوں سے سفیدی پھوٹی پڑتی تھی۔ آپ اس میں ملبوس ہوکر اپنے صحابہ کے سامنے تشریف لاتے ہیں۔ اپنے دست مبارک سے زانو کو ٹھوکتے ہوئے فرماتے ہیں: کبھی تم نے ایسا خوبصورت اور نفیس جبہ دیکھا ہے؟ مجلس کے ایک کونے سے آواز آتی ہے: یارسول اللہ! اِسے مجھے عنایت فرمادیں۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اُس شخص نے وہ جبہ آپ سے کیوں مانگا، حالانکہ اسے پتا تھا کہ یہ آپ کو بھا گیا ہے۔ شاید اس لیے کہ اسے پتا تھا کہ 'نہیں، سنتا ہی نہیں مانگنے والا اِن کا' چنانچہ آپ نے وہ گراں قدر جبہ اسے عطا فرمادیا اور پھر عام جبہ زیب تن فرما کر باہر تشریف لائے۔ محبوب سے ملاقات میں بس ایک ہفتہ باقی رہ گیا ہے۔ عقیدت مندوں نے متعدد بار اُسی طرز کا جبہ تیار کراکے آپ کو پیش کرنا چاہا لیکن آپ کو اُسے پہننے کا یارا نہ ہوا۔ ابوہریرہ کے ذریعہ لوگوں تک یہ پیغام پہنچایا کہ: **لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أَحَدِكُمْ زَمَانٌ لَأَنْ يَرَانِي أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَهُ مِثْلُ أَهْلِهِ وَمَالِهِ**. یعنی تم پر ایک ایسا زمانہ ضرور آئے گا کہ تم میں سے ایک آدمی کو میرا دیکھنا اسے اپنی اولاد اور مال سے زیادہ عزیز ہوگا۔ پھر آپ نے اپنے بھائیوں سے اپنا شوقِ ملاقات بھی بایں الفاظ بیان فرمادیا: **إِنِّي أَشْتَاقُ لِإِخْوَانِي يُؤْمِنُونَ بِي وَلَمْ يَرَوْنِي**. یعنی مجھے اپنے اُن بھائیوں سے ملنے کا اشتیاق ہے جو مجھ پر بن دیکھے ایمان لائیں گے۔

پیارے آقا! آپ مدینہ منورہ کے منبر سے حزن و ملال کے لہجے میں آواز لگارہے ہیں: اے میری اُمت، اے میری اُمت۔ اے وہ ذات! جس نے فضائے مکہ میں رہ کر خلق خدا کی بہتری کے لیے اللہ سے دعائیں مانگی۔ اللہ نے آپ کی وجہ سے ہم پر کتنا لطف و احسان فرمایا ہے۔ یارسول اللہ! ہم اپنے گھٹنے ٹیک کر آپ کے دست اقدس پر بیعت کررہے ہیں۔ آپ اپنے رب کے پاس سے جو کچھ ہمارے پاس لائے اُس پر ایمان لاتے ہیں۔ یارسول اللہ! **سمعنا و اطعنا**. ہم نے بس سنا اور مان لیا۔ یارسول اللہ! آپ اب بھی ہم میں تشریف فرما ہیں۔ عمر کا گویا چالیسواں سال ہے۔ اور آپ اپنی اُمت کی زمام تھامے انھیں سوے حرم بلکہ جانب اِرم لیے جارہے ہیں۔ ❑❑

آخری قسط

اتحادِ امت: تفہیم و تجزیہ

جمعیۃ علمائے پاکستان کے سابق جنرل سکریٹری، ممتاز سنی عالم دین اور مشہور سیاسی قائد مجاہد ملت حضرت علامہ مولانا عبدالستار خاں نیازی علیہ الرحمۃ کی شخصیت برصغیر کے علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ ضلع میانوالی پنجاب (پاکستان) کے رہنے والے تھے۔ جمعیۃ علمائے پاکستان میں قائد اہلِ سنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ والرضوان کے ساتھ بحیثیت جنرل سکریٹری ایک طویل عرصے تک رفیقِ سفر رہے۔ پاکستان کے وفاقی مذہبی وزیر بھی رہے۔ اپنے زمانۂ طالب علمی میں ایم ایس ایف (مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن) مسلم لیگ کی ذیلی طلبہ تنظیم کے بہت ہی متحرک کارکن بھی رہے۔ دینی و سیاسی بصیرت میں آپ کا نقطۂ نظر بہت بے باکانہ اور تقاضائے عصر کی معنویت کو لیے ہوئے رہتا تھا۔ مجھے ان کی متعدد مقامات پر مختلف کانفرنس، سیمینار اور اجتماعات میں متعدد بار ان کے کلمات وخطابات کے سننے کا شرف حاصل رہا۔ ان کی کئی تحریریں بھی میری نظروں سے گزری ہیں۔

خصوصی موضوع

ان کے زبان و دل، کردار وافکار میں بڑی یکسانیت تھی۔ وہ بہت سوچ سمجھ کر سیاست اور دینی معاملات میں وہ اپنی خداداد بصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے بہت سوچ سمجھ کر فیصلے لیتے اور ایک بار جو فیصلے لیتے اس پر تاحیات قائم ودائم رہتے۔ ان کے کردار اور فیصلے میں کوئی لچک نہیں ہوتی تھی۔ قادیانیت کے خلاف ''تحریک تحفظ ختم نبوت'' میں علمائے اہلِ سنت کے ساتھ آپ نے بہت ہی مجاہدانہ کردار ادا کیا تھا۔ اس پر پاکستان کے تمام اخبارات اور رسائل وجرائد شاہد ہیں۔ ''تحریک تحفظ ختم نبوت'' میں مردانہ وار حصہ لینے کی پاداش میں پاکستانی حکومت کی جانب سے آپ کے لیے پھانسی کی سزا بھی سنائی گئی تھی۔ مگر بعد میں حکومت کو یہ فیصلہ واپس لینا پڑا۔

مجاہد ملت بہت ہی حساس دل انسان تھے، وہ نظامِ مصطفیٰ کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کے درمیان اسلام دشمن عناصر کی سازش سے پیدا شدہ تفرقہ بازی کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس لیے وہ اتحادِ ملت کے لیے بھی ہمیشہ دل سے کوشاں رہتے، اتحادِ ملت کے حوالے سے ان کی ایک مبسوط کتاب اصول وضوابط کے تعلق سے پاکستان میں شائع ہوچکی ہے۔ زیرِ نظر تحریر اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔ آج کا یہ بحرانی دور نہ صرف برصغیر بلکہ تمام عالم اسلام کے لیے مسئلہ روح فرسا بنا ہوا ہے۔ آج کے پس منظر میں عالمی سطح پر اتحاد واتفاق کی ضرورت مزید سخت ہوگئی ہے۔ ہم اتحادِ ملت کے اس عصری تقاضے کے پس منظر میں ایک بار پھر ان تمام حضرات کے دلوں پر پرخلوص دستک دیتے ہوئے اس تحریر کے ذریعہ اتحاد واتفاق کی دعوت دیتے ہیں۔

ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشیدِ مبیں ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں میں کیا رکھا ہے (نوشاد عالم چشتی علیگ)

اتحادِ ملتِ اسلامیہ: عصر حاضر کی ایک اہم ضرورت

مجاهد ملت علامه عبدالستار خاں نیازی☆

(۱۹) دعا کے وقت قبر شریف کی طرف توجہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دینا: ''جب تم قبر شریف پر حاضر ہوتو قبر مطہرہ کی طرف منہ کرکے اس طرح کہو: آپ پر سلام نازل ہوا ے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وبرکات نازل ہوں۔'' (المھند علی المفند، ص ۱۱۷)

(۲۰) حاضر وناظر: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ اُن کی جانوں کو بھی اُن کے ساتھ حاصل نہیں۔'' (مولانا محمد قاسم نانوتوی، تحذیر الناس، مطبوعہ دیوبند، ص ۱۷)

(۲۱) علم غیب: (الف) ''...... بیانِ بالا سے یہ ثابت ہوگیا کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو علم غیب حاصل ہے، نہ اس میں گفتگو ہے نہ یہاں ہوسکتی ہے۔'' (مولانا محمد مرتضیٰ حسن: توضیح البیان فی حفظ الایمان، مطبوعہ انجمن ارشاد المسلمین، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۱۵)

(ب) ''حفظ الایمان میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب باعطائے الٰہی حاصل ہے۔'' (ایضاً، ص ۵)

(ج) نواب صدیق حسن خاں اپنی تفسیر فتح البیان میں لکھتے ہیں: ''پس اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی احکامِ شرعیہ، امورِ دین، علم غیب، پوشیدہ چیزیں، احوالِ منافقین، ان کا مکروفریب اور دلوں کی باتوں پر مطلع فرمایا اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو دُنیا کا علم بھی عطا فرمایا اور دین کا بھی۔''

عَلَّمَهُ الْبَيَان کی تفسیر میں نواب صاحب نے تصریح کی ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے حضور کو ما کان و مایکون کا علم عطا فرمایا اور خَلَقَ الْاِنْسَان کے تحت لکھتے ہیں کہ: المراد بالانسان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم علّمه بیان ما کان و مایکون لانه صلی اللہ علیہ وسلم ینبئ عن خبر الاوّلین والآخرین و عن یوم الدین. یعنی

☆ سابق وفاقی مذہبی وزیر حکومت پاکستان، سابق مرکزی جنرل سکریٹری جمعیۃ علمائے پاکستان

خلق الانسان میں 'انسان' سے مراد حضور ہیں اور عَلَّمَهُ الْبَيَان کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ما کان و ما یکون کے علوم سے سرفراز فرمایا کیونکہ حضور نے اوّلین و آخرین اور قیامت کی خبر دی۔"

(۲۲) "اُس (حق تعالیٰ) کے کسی کلام میں کذب کا شائبہ اور خلاف کا واہمہ بھی بالکل نہیں اور جو اس کے خلاف عقیدہ رکھے یا اس کے کسی کلام میں کذب کا وہم بھی کرے، وہ کافر، ملحد، زندیق ہے کہ اس میں ایمان کا شائبہ بھی نہیں۔" (المہنّد علی المفنّد، ص۴۴)

(۲۳) مولانا اشرف علی تھانوی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض پرداز ہیں:

تَرَحَّمْ يَا ابْنَ آمِنَةَ تَرَحَّمْ
فَفِيْ حُوْبِیْ رِضَاعِیْ وَالْفِطَام

ترجمہ: رحم کیجیے اے آمنہ کے لال رحم کیجیے! میں نے اپنی ساری عمر گناہوں میں بسر کی ہے۔ (مناجاتِ مقبول قربات عنداللہ وصلوٰۃ الرسول، مطبوعہ دہلی، ص۲۳۳)

(۲۴) رحم کی درخواست کے ساتھ شفاعت کے بھی طلب گار ہیں:

بِکَ اسْتَشْفَعْتُ فِیْ قُلِّیْ وَکُثْرِیْ
بِکَ اسْتَشْفَيْتُ اِذْ عَرَضَ السِّقَامُ

ترجمہ: میں چھوٹے بڑے سب کاموں میں آپ ہی کی شفاعت کا طلب گار ہوں اور بیماری کی حالت میں بھی آپ ہی سے شفا کا خواستگار ہوں۔ (ایضاً، ص۲۳۳)

(۲۵) وسیلہ: (الف) مولوی وحید الزماں اپنی کتاب ہدیۃ المہدی ص۴۷ تا ۵۰ حضور کے وسیلۂ جمیلہ کا تذکرہ بڑے شرح وبسط کے ساتھ کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا اور ٹھہرانا درست ہے۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کے وصال کے بعد ایک حاجت مند کو یہ دعا سکھلائی: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ نبی رحمۃ (بحوالہ امام بیہقی) دعا کے طریقوں میں یہ بہتر ہے کہ انبیا علیہم السلام اور اولیائے کرام کو وسیلہ بنایا جائے۔ دوسری حدیث شریف میں آیا ہے کہ یوں دُعا مانگیں: یَا مُحَمَّد اِنِّیْ اَتَوَجَّه بِکَ الی ربّی (بحوالہ ترمذی شریف) اللھم بمحمدٍ نبیک و بموسیٰ نجیّک۔ امام قسطلانی نے اپنی روایت میں تضرّع و التجوہ والتوجہ بالنّبی الی ربہ کے الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے رو کر، گڑگڑا کر اور ان کے وسیلے میں ان کے رب سے دعا کی ہے۔ اور آدم علیہ السلام اور دوسرے لوگوں کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے اور مرتبے اور آپ کے طفیل سے دعا کرنے کو آج تک کسی نے بھی ناجائز نہیں کہا اور ہماری جماعت کے امام قاضی شوکانی نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ ٹھہرانا بالکل درست ہے۔ بلکہ دوسرے نبیوں، ولیوں اور عالموں کو وسیلہ ٹھہرانا بھی جائز ہے۔ اسی طرح جو کسی قبر کی زیارت کے لیے آتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس طرح دعا کرتا ہے: "اے میرے اللہ تبارک و تعالیٰ! تو میری یہ تکلیف اور مصیبت اس میّت کے وسیلے سے دور کر دے۔" یہ بھی جائز ہے۔

(ب) مولانا رشید احمد گنگوہی بعد وفات اولیائے کرام کے تصرفات کے بارے میں لکھتے ہیں: "تصرفات و کراماتِ اولیاء اللہ بعد ممات بحالِ خود باقی می ماند بلکہ در ولایت بعد موت ترقی می شود۔" (مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، تذکرہ الرشید، جلد دوم، مطبوعہ مکتبہ بحر العلوم، کراچی، ص۲۵۲)

(۲۶) مولوی محمد اسماعیل دہلوی امام الوہابیہ کے پیر و مرشد سید احمد بریلوی کے خواہرزادہ مولوی سید محمد علی صاحب نے بعد وفات اولیائے کرام کے الطاف و انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک عجیب و غریب واقعہ 'مخزن احمدی' جو سید احمد بریلوی کے سفرِ حج (۱۸۲۲ء) تک کے حالات پر مشتمل ہے، میں نقل کیا ہے:

"دریں منزل قریب نصف شب بوادی سرف کہ مزار فائض الانوار سترِ معلیٰ جناب میمونہ علیہا وعلیٰ بعلہا الصلوٰۃ والسلام من اللہ الملک العلام رسیدیم از اتفاقاتِ عجیبہ آں کہ آں روز ہیچ طعام نخوردہ بودم چوں از خواب آں وقت بیدار شدم از غایت گرسنگی طاقتم طاق و بدررویم درمحاق بود بطلب نان پیش ہر کس ودیدم و بہ مطلب نرسیدم بناچار برائے زیارت در حجر مقدسہ رفتم و پیشِ تربت شریفہ گدایانہ ندا کردہ گفتم کہ ای جدہ امجدہ من مہمانِ شما ہستم چیزی خوردنی عنایت فرما و مرا محروم از الطافِ کریمانہ خود منما آنگاہ سلام کردم و فاتحہ و اخلاص خواندہ ثوابش بروحِ پرفتوحش فرستادم آنگاہ نشستہ سر بر قبرش نہادہ بودم از رزّاقِ مطلق و دانائے برحق و خوشہ انگور تازہ بدستم افتادہ طرفہ تر آں کہ آں ایام سرما بود و ہیچ جا انگورِ تازہ میسر نبود بحیرت افتادم و یکے از ہر دو خوشہ ہموں جا نشستہ تناول نمودہ از حجرہ بیرون شدم و یک یک دانہ بہر یک تقسیم کردم و گفتم:

یافت مریم گر بہنگامِ شتا	میوہ ہائے جنت از فضلِ خدا
ایں کرامت در حیاتش بود و بس	بعد فوتش نقل ننمود است کس
بعدِ فوتِ زوجِ ختم المرسلین	رفتہ چندیں قرن ہا ای دُور بین
بنگر از وی ایں کرامت یافتم	مایۂ صد گونہ نعمت یافتم

(سید محمد علی، مخزن احمدی، مطبوعہ آگرہ، ص۹۹)

ترجمہ: ہم قریب نصف شب وادی سرف میں کہ جہاں حضرت اُمّ المومنین جنابِ میمونہ رضی اللہ عنہا کا مزار فائض الانوار ہے، پہنچے۔ عجیب اتفاق کی بات یہ ہے کہ اُس روز میں نے کچھ کھانا نہ کھایا تھا۔ جب سو کر اُٹھا تو بھوک سے نڈھال تھا۔ کئی آدمیوں کے پاس روٹی مانگنے کے لیے پہنچا مگر کامیاب نہ ہوا۔ ناچار حجرۂ مقدسہ امّ المومنین کی زیارت کے لیے گیا اور آپ کی تربت شریفہ کے سامنے گدایانہ صدا دی اور عرض کی: ''اے جدۂ ماجدہ! میں جناب کا مہمان ہوں، کوئی چیز عنایت فرمائیں اور اپنے الطافِ کریمانہ سے محروم نہ کریں۔'' اُس وقت میں نے سلام پیش کیا اور فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھ کر اُس کا ثواب اُن کی روح پرفتوح کو بھیجا۔ جناب اُمّ المومنین کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے ہوئے اپنا سر قبر مبارک پر رکھا ہوا تھا کہ رزّاقِ مطلق و دانائے برحق کی جانب سے تازہ انگوروں کے دو خوشے میرے ہاتھوں پر آ گرے۔ طرفہ تماشا یہ ہے، یہ موسمِ سرما تھا اور کسی جگہ بھی تازہ انگور میسر نہیں آتا تھا۔ میں حیرت میں پڑ گیا۔ ان دو خوشوں میں سے ایک میں نے خود کھایا اور حجرۂ مبارکہ سے باہر آنے کے بعد ایک ایک دانہ لوگوں میں تقسیم کر دیا۔'' اور انھوں نے اپنے جذبات کا اظہار درج بالا اشعار میں بہت پرلطف انداز میں کیا ہے، جن کے مطالعہ سے صاحبِ ذوق حضرات محظوظ ہوں گے اور یہ اشعار ترجمانی کے محتاج نہیں، لہٰذا ترجمہ نہیں کیا گیا۔

(۲۷) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مولوی حسین احمد مدنی کا براہِ راست مکالمہ:

''مشہور عالم اور بزرگ مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی مرحوم نے بیان فرمایا کہ ایک بار زیارتِ بیت اللہ سے فراغت کے بعد دربارِ رسالت میں حاضری ہوئی تو مدینہ طیبہ کے دورانِ قیام مشائخِ وقت سے یہ تذکرہ سنا کہ امسال روضۂ اطہر سے عجیب کرامت کا ظہور ہوا۔ ایک ہندی نوجوان نے جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھا تو دربارِ رسالت سے وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ یَا وَلَدِیْ کے پیارے الفاظ سے اُس کو جواب ملا۔ اس واقعہ کو سن کر قلب پر ایک خاص اثر ہوا۔ مزید خوشی کا سبب یہ بھی تھا کہ یہ سعادت ہندی نوجوان کو نصیب ہوئی۔ دل تڑپ اُٹھا اور اس ہندی نوجوان کی جستجو شروع کی تاکہ اُس محبوبِ بارگاہ رسالت کی زیارت سے مشرف ہو سکوں اور خود اس واقعہ کی بھی تصدیق کر لوں۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ وہ ہندی نوجوان سید حبیب اللہ مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا فرزند ارجمند ہے۔ گھر پہنچا، ملاقات کی، تنہائی پا کر اپنی طلب وجستجو کا راز بتایا۔ ابتداءً خاموشی اختیار کی لیکن اصرار کے بعد کہا کہ: بیشک جو آپ نے سنا وہ صحیح ہے۔ یہ نوجوان تھے مولانا حسین احمد مدنی۔'' (الجمعیۃ 'شیخ الاسلام نمبر'، ص ۴۹، بحوالہ مولوی محمد عبداللہ: بارگاہِ رسالت اور بزرگانِ دیوبند، مطبوعہ مکتبہ مدنیہ، گوجرانوالہ، ۱۹۶۹ء، ص ۳۲-۳۳)

(۲۸) موافقات کے سلسلے میں مندرجہ ذیل حوالوں کا تذکرہ غیر متعلق نہ ہوگا:

(الف) اہل حدیث کے مشہور عالم مولانا عبدالمجید صاحب خادم سوہدروی (۱۹۰۱ء-۱۹۵۹ء) شاگرد مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اپنی تالیف 'کراماتِ اہل حدیث' میں کراماتِ قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری کے تحت رقم طراز ہیں کہ: ''صوفی حبیب الرحمٰن صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹۱۰ء میں جب حضرت ضیاء معصوم صاحب مرشد امیر حبیب اللہ خاں شاہ کابل پٹیالہ تشریف لائے تو انھوں نے سرہند جانے کے لیے قاضی جی (قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مؤلف 'رحمۃ للعالمین') کو اپنے ساتھ لے لیا۔ حضرت ضیا معصوم جب روضہ حضرت مجدد الف ثانی پر مراقبہ کے لیے بیٹھے تو قاضی جی نے دل میں کہا کہ شاید ان بزرگوں نے آپس میں کوئی راز کی بات کہنی ہو، ان سے الگ ہونا چاہیے۔ ابھی آپ اپنے جی میں یہ خیال لے کر اُٹھے ہی تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے آپ کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور فرمایا کہ سلیمان بیٹھے رہو، ہم کوئی بات تجھ سے راز نہیں رکھنا چاہتے۔ صوفی صاحب کا بیان ہے کہ قاضی صاحب نے بعض دوستوں سے ذکر کیا، اور فرمایا کہ یہ واقعہ مراقبہ یا مکاشفہ کا نہیں بلکہ بیداری کا ہے۔'' (کراماتِ اہل حدیث، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ، ص ۱۹)

(ب) ''مولوی حسین احمد تاجر کتب پٹیالہ کا بیان ہے کہ: مجھے درد کمر کی شدید شکایت رہتی تھی اور اسی وجہ سے میں نماز باجماعت ادا کرنے سے معذور تھا، کیونکہ اکثر اہل حدیث صبح کی نماز میں لمبی قرأت کرتے ہیں اور میں کھڑا نہیں ہو سکتا تھا، ایک دن میں قاضی صاحب (قاضی محمد سلیمان منصور پوری) کی مسجد میں نمازِ صبح کے لیے چلا گیا۔ قاضی صاحب سورۂ آلِ عمران پڑھ رہے تھے۔ دو رکوع پڑھے ہوں گے کہ مجھے درد شروع ہو گیا اور میں نے ارادہ کیا کہ اب نماز چھوڑ دوں، معاً قاضی جی نے اللہ اکبر کہا اور رکوع چلے گئے، پھر دوسری رکعت میں بھی مختصر قیام کیا اور سلام پھیر دیا۔ لوگ حیران ہوئے کہ آج اتنی مختصر قرأت کیوں کی؟ کسی نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ بھئی حضور کا حکم ہے، مقتدیوں کا لحاظ رکھا جائے، مولوی حسین احمد کہتے ہیں کہ تین چار یوم کے بعد پھر ایک دفعہ میں نماز میں شامل ہوا تو ایسا ہی اتفاق ہوا، جب مجھے درد شروع ہوا اور میں جی میں یہ سوچنے لگا کہ نماز چھوڑ دوں یا نہ؟ تو قاضی جی نے قرأت ختم کر دی، اور اختصار سے کام لے لیا۔ قریباً آٹھ مرتبہ میں نے آزمایا حالانکہ میں جماعت کے ساتھ بعد میں شریک ہوتا تھا

اور قاضی جی کو میری آمد کا کوئی علم نہ ہوتا تھا، اس سے میں نے یقین کر لیا کہ آپ صاحبِ کشف ہیں۔'' (ایضاً ص ۲۰-۲۱)

(۲۹) علمائے دیو بند میں مولوی حسین علی سکنہ واں بھچراں (۱۸۶۶ء-۱۹۴۳ء) اور مولوی غلام اللہ خان (۱۹۰۵ء-۱۹۸۰ء) انکارِ علمِ غیب میں زیادہ شدید ہیں حتیٰ کہ عطائے الٰہی سے بھی علمِ غیب کو جائز نہیں سمجھتے۔ حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و کمالات اور تصرفات کا اندازہ عقلِ محض کے ذریعے از قبیلِ ناممکنات ہے۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں اس باب میں بہت کچھ لکھ دیا ہے۔ تاہم مولوی حسین علی جیسے متشدد شخص سے اُن کے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب دامانی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۲ر شعبان المعظم ۱۳۱۴ھ) کا مکالمہ خالی از افادیت نہ ہوگا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ہمارے مآخذ مجموعہ فوائد عثمانی کے مصحح و محشی بھی مولوی حسین علی صاحب ہی ہیں اور اس مجموعہ کو ناظرین اور بعد میں آنے والے قارئین کے لیے فیوض و برکات اور منفعت کا باعث بننے کی دعا مانگتے ہیں۔ (بایں الفاظ: **اما بعد فیقول الفقیر الحقیر المدعو بحسین علی، انی طالعت هٰذا الکتاب من اوّله الی آخره بامر سیدی و مولائی و مرشدی حضرت سیدی محمد سراج الدین لازالَ فیوضاتُه علینا فائضةً نفعنا اللّٰه تعالیٰ بهذا الکتاب و الناظرین الآخرین. آمین، یا ربّ العالمین.**

کرامت و مکاشفه:

روزی حاجی میاں عبدالکریم صاحب قوم ترا ہ ساکن گرهٔ نورنگ از جناب مولوی حسین علی صاحب پرسید کہ اولیائے علم غیب می دانند یا نہ؟ جناب مولوی صاحب موصوف در جواب گفتند کہ علمِ غیب خاصہ خدائے تعالیٰ جل شانہٗ است مگر چیزے حق تعالیٰ در دلِ ولی خود القا کند۔ پس می دانند اورا بطریق الہام یا کشف پس میاں حاجی عبدالکریم صاحب گفت کہ آیا اسپ ہائے اولیا ہم غیب می دانند۔ جناب مولوی صاحب ممدوح گفتند چرا؟ میاں حاجی عبدالکریم صاحب بیان کردند کہ یک اسپ حضرت قبلہ نزدِ من بود۔ در سبز زار باجرا من می چرد در دل خیال کردم کہ ہر روز ایں اسپ را اگر ایں چنیں در کشتِ باجرا ہا می کنم اکثر خوشہ ہا خواہد خواہد خورد و باجرا در وقتِ درو ہیچ بدست نمی آید۔ پس بہ مجرد گذشتن ایں خیال در دل ہما وقت دیدم کہ اسپ رُوئے از خوشہ ہا گردانید گیاہ خوردن شروع کرد۔ بعد از گذشتن چندیں وقت فہمیدم کہ ایں امر بسبب خطرۂ من واقع شد۔ پس نزدِ اسپ رفتہ در پائے او افتادم و گفتم کہ ایں مالِ حضرت است۔ بلا لحاظ بخور۔ فی الفور خوردن خوشہ ہا شروع کرد۔ پس ایں چہ حکمت است؟ جناب مولوی صاحب ممدوح فرمودند کہ اللہ تعالیٰ متولی اولیا خود است۔ وچوں از آں خیال تائب گشتی باز اللہ تعالیٰ اسپ را رہا کرد و ایں ہم عنایتے خداوندی بود بر تو کہ ایں امر را وسیلہ پختگی اعتقادِ تو ساخت۔ پس جناب مولوی حسین علی صاحب بعد دادن ایں جواب در ہمیں خیال بودند کہ آیا علمے کہ اولیا را می شود چگونہ می باشد کہ آیا بعضے چیز ہا می دانند یا اکثر بعد توجہ و خیال یا چگونہ می باشد در ہمیں خیال بودند کہ از اں جا برخاستہ در تسبیح خانہ شریف رفتند و در آں جا حضرت قبلہ قلبی و روحی فداہٗ با مردمان افغانان بزبانِ پشتو در کسے امر کلام کردند۔ پس جناب مولوی صاحب ممدوح در پشت آں مردمان نشستند۔ حضرت قبلہ بمجرد نشستن مولوی صاحب متوجہ بہ اوشاں شدہ بہ زبانِ فارسی فرمودند کہ مولوی صاحب اولیا ہمہ می دانند ولاکن مامور بہ اظہار نیستند۔ پس فقط ہمیں لفظ گفتہ باز بدستورِ سابق کلامے بہ افغاناں شروع کردند۔'' (سید محمد اکبر علی شاہ، مجموعہ فوائد عثمانی، مطبوعہ استقلال پریس، لاہور، ۱۳۸۳ھ، اشاعت دوم، ص ۹۷-۹۸)

ترجمہ: ایک روز حاجی میاں عبدالکریم صاحب قوم اترا ہ ساکن گرهٔ نورنگ نے جناب مولوی حسین علی صاحب سے پوچھا کہ اولیا علم غیب جانتے ہیں یا نہیں؟ جناب مولوی صاحب نے اُن کے جواب میں کہا کہ علم غیب خاصۂ خدا تعالیٰ جل شانہ ہے، مگر ایک چیز ہے کہ حق تعالیٰ ولی کے دل پر خود القا فرماتا ہے۔ پس اُس کو الہام و کشف کے طریقے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ پھر میاں عبدالکریم صاحب نے کہا کہ: آیا اولیاء اللہ کے گھوڑے بھی غیب جانتے ہیں؟ جناب مولوی حسین علی صاحب نے فرمایا کیسے؟ میاں حاجی عبدالکریم صاحب نے بیان کیا کہ حضرت قبلہ (خواجہ محمد عثمان دامانی) کا ایک گھوڑا میرے پاس تھا جو ہرے بھرے کھیتوں میں باجرا چرتا تھا، میرے دل میں خیال آیا کہ اگر اسی طرح ہر روز یہ گھوڑا کھیت سے باجرا کھاتا رہا تو اکثر فصل کھا جائے گا اور کٹائی کے وقت میرے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ پس یہ خیال میرے دل میں آیا تو میں نے دیکھا کہ گھوڑے نے باجرے کی بالیں کھانی ترک کر دیں اور گھاس کھانا شروع کر دی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد میں سمجھ گیا کہ جو خدشہ میرے دل میں گزرا تھا اس سبب سے گھوڑے نے باجرا کھانا ترک کر دیا ہے۔ پس میں گھوڑے کے پاس گیا اور اس کے پاؤں میں گر گیا اور کہا کہ یہ مال حضرت صاحب (پیر و مرشد) کا ہی ہے، بلا تکلف کھاؤ۔ کہنے کی دیر تھی کہ اُس نے فوراً باجرے کی بالیں کھانا شروع کر دیں۔ پس اس میں کیا حکمت ہے؟ تو مولوی حسین علی صاحب نے جواباً کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کا نگہبان ہے، جب تمھارے دل میں مذکورہ خیال گزرا تو

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے گھوڑے کو خوشے کھانے سے روک دیا اور جونہی تم اپنے خیال سے تائب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے گھوڑے کو آزاد کر دیا اور یہ خداوند کریم کی خاص عنایت تھی کہ اس امر سے تیرا عقیدہ وسیلہ کے بارے میں راسخ ہو گیا۔ مولوی حسین علی صاحب کے اس جواب دینے کے بعد یہ خیال ہر وقت ان کے دل میں رہنے لگا کہ اولیا کو چیزوں کا علم کیسے ہوتا ہے؟ آیا بعض چیزوں کا یا اکثر کا غور و فکر کے بعد ہوتا ہے، اسی خیال میں تھے کہ اُس جگہ سے اُٹھے اور تسبیح خانہ (ذکر و اذکار والے کمرہ) میں چلے گئے اور اُس جگہ حضرت قبلہ (میرا دل اور رُوح اُن پر قربان ہو) افغان لوگوں کے ساتھ پشتو زبان میں کسی چیز کے بارے میں گفتگو فرما رہے تھے۔ پس مولوی صاحب ممدوح اُن آدمیوں کے پیچھے بیٹھ گئے۔ حضرت قبلہ صرف مولوی صاحب کے بیٹھتے ہی اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور فارسی زبان میں فرمایا کہ: ''مولوی صاحب! اولیا سب کچھ جانتے ہیں لیکن اُس کے ظاہر کرنے پر مامور نہیں ہیں۔'' پس یہ الفاظ فرمانے کے بعد افغانیوں سے پھر بدستور سابق گفتگو شروع کر دی۔

احوالِ کشف:

''یک روز بوقتِ عشا جناب مولوی حسین علی صاحب بخدمت حضرت قبلۂ ما قلبی و روحی فداہ حاضر بودند، ارشاد فرمودند کہ ای مولوی صاحب شما در خانۂ خود باز چوں واپس آئی حالات و معاملات کہ بر شما گذشتہ باشند از من بپرس۔ ہما را یک یک مفصل بتو خواہم گفت انشاء اللہ تعالیٰ در یک امر ہم خطا نخواہی یافت۔ (ایضاً، ص۹۹)

ترجمہ: ایک روز عشا کے وقت جناب مولوی حسین علی صاحب حضرت قبلہ گاہی (قلبی و روحی فداہ) کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: اے مولوی صاحب!''تم اپنے گھر جاؤ پھر جب ہمارے پاس واپس آؤ تو تمام حالات و معاملات جو تمھارے اوپر گزر چکے ہوں، مجھ سے پوچھو۔ ایک ایک کر کے تمام واقعات تمھیں انشاء اللہ تعالیٰ بالتفصیل بتا دیں گے اور کسی ایک معاملہ میں بھی کوئی غلطی یا سقم نہ پاؤ گے۔''

(۳۰) قارئینِ کرام! موافقات پر علمائے اہلِ حدیث اور خصوصاً علمائے دیوبند کی معتبر و مستند کتب کے اقتباسات پڑھتے پڑھتے تھک گئے ہوں گے اس لیے اس سلسلے کو اب ہم مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے دو ایک ملفوظات پر ختم کرتے ہیں جو اُن کی مشہور اور نادر تالیف ''الاضافات الیومیہ'' سے ماخوذ ہیں:

(الف) ''پھر آثارِ عشق کے سلسلے میں ایک قصہ بیان فرمایا کہ حضرت سید احمد رفاعی معاصر ہیں حضرت جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے، بہت بڑے اولیائے کبار سے گزرے ہیں۔ ایک مرتبہ روضۂ مبارک پر حاضر ہوئے اور عرض کیا: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا جَدِّیْ! جواب میں مسموع ہوا: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا وَلَدِیْ. اس پر ان کو وجد ہو گیا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہو گئے:

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها
تقبل الارض عنی وهی نائبتی
فهذه دولة الاشباح قد حضرت
فامدد یمینک کی تحظی بها شفتی

ترجمہ: میں حالتِ بُعد میں اپنی روح کو (روضہ شریف پر) بھیجا کرتا تھا کہ وہ میری طرف سے نائب بن کر زمیں بوسی کیا کرتی تھی اور اب جسم کی باری ہے جو خود حاضر ہے سو اپنا ہاتھ بڑھا دیجیے تا کہ میرا لب اُس سے بہرہ ور ہو جاوے۔

فوراً ہی روضۂ مبارک سے ایک نہایت منور ہاتھ جس کے روبرو آفتاب بھی ماند تھا، ظاہر ہوا۔ انھوں نے بے ساختہ دوڑ کر اُس کا بوسہ لیا اور وہیں گر گئے۔ ایک بزرگ جو اس واقعہ میں موجود تھے اُن سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو اُس وقت کچھ رشک ہوا تھا؟ فرمایا کہ ہم تو کیا چیز تھے اُس وقت ملائکہ کو رشک تھا۔ جب حضرت رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ لوگ مجھ کو نظرِ قبول و جاہ سے دیکھ رہے ہیں دروازے پر جا لیٹے اور حاضرین سے کہا کہ سب آدمی میرے اوپر سے جائیں۔ یہ علاج تھا۔ سیوطی نے یہ حکایت لکھی ہے، اُس وقت نوے ہزار کا مجمع تھا لوگوں کا۔'' (الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، حصہ دوم، مطبوعہ اشرف المطابع، تھانہ بھون، ص۳۷)

(ب) ''ایک مولوی صاحب کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: آپ تو اسی پر تعجب کر رہے ہیں، میں نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے خود اس سے زیادہ عجیب ایک حکایت سنی ہے جس میں توجیہ کی بھی ضرورت ہے۔ اور کوئی بیان کرتا تو شاید یقین ہونا بھی مشکل ہوتا اور بہت ممکن تھا کہ میں سن کر رد کر دیتا۔ وہ یہ کہ ایک دھوبی کا انتقال ہوا۔ جب دفن کر چکے تو منکر نکیر نے آ کر سوال کیا۔ مــن ربّک؟ مـادینک؟ من هذا الرجل؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ مجھ کو کچھ خبر نہیں، میں تو حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا دھوبی ہوں اور فی الحقیقت یہ جواب اپنے ایمان کا اجمالی بیان تھا کہ میں اُن کا ہم عقیدہ ہوں۔ جو اُن کا خدا وہ میرا خدا، جو اُن کا دین وہ میرا دین۔ اسی پر اُس دھوبی کی نجات ہو گئی۔ باقی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس کا ایمان بھی اجمالی ہی تھا محض تعبیر اجمالی تھی۔'' (ایضاً، ص۲۹)

(۳۱) مزاروں پر فیض ہونا:

(الف) ''فرمایا حضرت والا نے اپنے سلسلے کے بزرگوں کے مزار پر بڑا فیض ہوتا ہے اور وہ فیض تقویتِ نسبت ہے۔'' (حسن العزیز، ملفوظاتِ اشرفیہ، جلد چہارم، مطبوعہ مکتبہ تالیفاتِ اشرفیہ، تھانہ بھون، ۱۹۶۵ء، اشاعت دوم، ص ۱۰۷)

(ب) ''ریل میں ذکر ہوا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کا مزار دیو بند میں ہے۔ خواجہ (عزیز الحسن مجذوب) صاحب (متوفی ۱۹۴۴ء) نے فرمایا: بڑی برکت کی جگہ ہوگی۔ فرمایا: ہاں!'' (ایضاً، ص ۳۳۴)

(۳۲) بعض عبارتوں میں عبدالنبی، غلام محی الدین، غلام معین الدین، امام بخش، نبی بخش، مدار بخش، علی بخش، حسین بخش، سالار بخش، پیر بخش (تقویۃ الایمان، ص ۱۹-۲۳، اور بہشتی زیور، ص ۳۲) نام رکھنا شرک کہا گیا ہے۔ اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنے فتاویٰ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۳۷) میں ایسے ناموں کو تبدیل کرنے کے لیے کہا ہے۔ اور ماہنامہ 'فیض الاسلام' راولپنڈی، فروری ۱۹۸۵ء کے شمارہ میں صفحہ ۱۷ پر 'مشرکانہ نام رکھنا' کے عنوان سے غلام رسول، عبدالرسول، غلام محمد، کنیز فاطمہ، غلام علی (وغیرہ) ایسے نام رکھنے کو قطعاً ممنوع قرار دیا ہے۔ اور اس بات پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہمارے بعض لیڈر اور بعض علمائے کرام ایسے ہی ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔ اور تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، ص ۶۴-۶۶ میں قادری، نقشبندی، چشتی، سہروردی، رفاعی کہلوانے کو بدعاتِ کفریہ بتایا گیا ہے۔ اب یہ بھی لکھ کر شائع کیا جا رہا ہے کہ ہمیں ''ندائے یا رسول اللہ'' سے چڑ ہے۔ (ہفت روزہ خدام الدین، لاہور، ۲۵ر مئی ۱۹۸۴ء، ص ۲۷) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: ''آخرت میں کس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اور آپ کسی کے سود اور زیاں کے مالک نہیں ہیں اور نہ قیامت کو ہوں گے'' کو دل کا سرور بتایا جا رہا ہے۔ (دل کا سرور، ص ۸۱) مگر شمائمِ امدادیہ صفحہ ۷۱ اور امداد المشتاق ص ۹۳ پر لکھا گیا ہے کہ: ''عباد اللہ کو عبادِ رسول کہہ سکتے ہیں۔'' مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے دادا کا نام قاضی پیر بخش تھا۔ (بحوالہ تذکرۃ الرشید، جلد اوّل، ص ۱۳) ایک دیو بندی مولوی کا نام جو رشید احمد گنگوہی سے ملنے آتا تھا، سالار بخش تھا۔ (قصص الاکابر، ص ۱۲۶) مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کے اساتذہ میں ایک کا نام مولانا غلام رسول اور دوسرے کا نام عبدالعلی تھا۔ (بیس بڑے مسلمان، ص ۴۱۸) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے استاد کا نام بھی غلام رسول تھا۔ (بیس بڑے مسلمان، ص ۵۴۶) مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے پردادا کا اسم گرامی محمد بخش، اور علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے استادِ گرامی کا نام مولانا غلام محمد تھا۔ (بیس بڑے مسلمان، ص ۱۱۴، ۳۷۰) مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کے داماد کا نام غلام محمد، اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے ماموں کا نام پیر امداد علی تھا۔ (بیس بڑے مسلمان، ص ۲۴۶-۳۰۹) شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ایک معتمد ساتھی کا نام غلام محمد تھا۔ (بحوالہ بیس بڑے مسلمان، ص ۲۴۶) مولانا احمد علی لاہوری جو دیو بندیوں کے شیخ التفسیر ہیں، کہتے ہیں کہ ''میں قادری بھی ہوں۔'' (بحوالہ ملفوظاتِ طیبات، ص ۱۱۱، ۱۵۰) اور سید احمد بریلوی کے مرید صادق مولوی محمد اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں کہ: ''حضرت سید صاحب کے تینوں طریقوں یعنی قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ کی نسبت مبادی سے پہلے حاصل ہوگئی۔'' (صراطِ مستقیم، ص ۳۱۷) نیز 'مکتوباتِ شیخ الاسلام' جلد دوم ص ۱۶۴ میں لکھا ہے کہ: ''حضرت گنگوہی قدس اللہ العزیز چشتی، صابری، قدوسی، نظامی، نقشبندی، قادری، سہروردی تھے۔'' قبل ازیں یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ: ''یا محمد اور یا رسول اللہ عشق و محبت سے ایسی ندا بلا اختلاف جائز ہے۔'' (صدائے حق، ص ۲۲۰-۲۲۱) علاوہ ازیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ: ''(اسماعیل دہلوی) قطعی جنتی ہے۔'' (بحوالہ فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۲) سید احمد بریلوی کو بتا دیا گیا کہ: ''جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا اگرچہ وہ لکھوکھا ہی کیوں نہ ہوں ہم ہر ایک کو کفایت کریں گے۔'' (بحوالہ صراطِ مستقیم، ص ۳۱۶)۔ مولانا احمد علی لاہوری (متوفی ۱۹۶۲ء) کو کہا گیا کہ: ''ہم نے تمھاری مہمانی کے طور پر میانی صاحب (لاہور کے قبرستان) کے تمام (گناہ گار صاحبِ ایمان) اہلِ قبور سے اپنا عذاب اُٹھا لیا ہے۔'' (ملفوظاتِ طیبات، ص ۲۱) اور 'ارواحِ ثلاثہ' مصنفہ مولانا اشرف علی تھانوی ص ۲۵۹ میں لکھا ہے: ''میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا ہے۔ وہ شخص (محمد قاسم نانوتوی) ایک فرشتہ مقرب تھا جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔'' نیز 'تذکرۂ حسن' ص ۲۰۶ میں یہاں تک لکھ دیا گیا ہے کہ مفتی محمد حسن ''رحمۃ للعالمین'' تھے۔ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور کسی نبی کو اس لقب سے یاد نہیں فرمایا ہے: وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ. (فتاویٰ نذیریہ جلد اوّل، کتاب الایمان والعقائد، ص ۱۰) لیکن فتاویٰ رشیدیہ میں ص ۹۶ پر بایں الفاظ: ''لفظ ''رحمۃ للعالمین'' صفتِ خاصۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے بلکہ دیگر اولیا و انبیا اور علمائے ربانیین بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں۔'' لکھا ہے۔

نوٹ: اہل سنت و جماعت کے اعمال و اشغال — قیام فی المیلاد، صلوٰۃ وسلام، زیارت، فاتحہ، نذر، نیاز، ایصالِ ثواب وغیرہ کی بابت مسلمہ عقیدہ ہے کہ ان کی عدم پابندی سے کوئی شخص دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، یہ محبت اور نسبت کی بات ہے۔ اس لیے کسی کو مجبور کرنا مناسب نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرے فرقوں کو بھی چاہیے کہ وہ شرک و بدعت کی گردان کر کے

وحدت واستحکامِ ملت میں رخنہ اندازی، انتشار اور خلفشار کا موجب نہ بنیں۔

قابل غور نکتہ:

ہم نے ابھی عقائد کے دو رُخ پیش کیے ہیں۔ قبل اس کے ہم ان تمام فرقوں میں منقسم اہلِ اسلام کو قطعی و حتمی فیصلہ کرنے کے لیے کہیں ضروری سمجھتے ہیں کہ ان تمام اختلافات، تنازعات، مباحث اور باہمی آویزشوں کی اصل وجہ کی نشاندہی کی جائے اور وہ یہ ہے کہ لوگوں نے حاسۂ نبوت کو وہ مقام اور مرتبہ نہیں دیا جو "وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰیٰ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی" سے ثابت ہوتا تھا۔ ہم نے عقلِ ناقص کے پیمانے سے علم و کمالاتِ نبوت کو ناپنا شروع کر دیا ہے جو انتہا درجے کی حماقت اور گمراہی تھی۔

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے
خدا جانے مجھے کیا ہوگیا ہے
خرد بیزار دل سے، دل خرد سے

جہاں پر عقل کی حد ختم ہوتی ہے وہاں سے نبوت کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ اس لیے "اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ" کو حقیقتِ ثانیہ مان کر انسان اپنے عجز کا اعتراف کر لے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب رَحْمَۃً لِلْعٰلَمِیْن، کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ، لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْراً اور سِرَاجاً مُنِیْراً تسلیم کر لیا جائے تو علم وادراک کی تمام حدود آپ کے لیے کھل جاتی ہیں اور زمان و مکان کی تمام پابندیاں ختم ہوجاتی ہیں۔ بقول حاجی امداد اللہ: نبوت عالمِ امر کی شے ہے۔ قربِ الٰہی کا جب یہ مقام حاصل ہو کہ خود خلقِ کائنات اُن کے بارے میں "وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ" فرماویں اور اپنے محبوب کو اپنی رضا، قضا اور منشا میں سراپا تسلیم و رضا جان کر "وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی" کا تاج پہنا دیں اور مقامِ محمودؑ اُن کی منزل قرار دی جائے تو پھر عقل بے چاری ہوا میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے اپنے تصورات میں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لیے سراسر عقل پر انحصار کرنے والے قافلے مسافتِ ہستی میں سرگرداں اور گمراہ ہو کے رہ جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے اجزائے دیمقراطیسی سے آگے طبیعات کو نہیں بڑھا اور ایٹم کی موجودہ تحقیقات میں لاادریت کے سمندر میں غرق ہو کے رہ گئے ہیں وہ وحی کی نورانیت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ رب العالمین نے ہمارے نبی کے نور کو پیدا کیا اور پھر اس سے کل کائنات وجود میں آئی۔ رحمت اصل ہے اور تمام کائنات اس کی فرع۔ جو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہو، اس کے تصرفات اور اقلیم فرماں روائی کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ جہاں موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام جیسے راز دار نبی تجلیاتِ الٰہیہ کا پرتو برداشت نہ کر سکے، جبریلِ امیں سدرہ سے ایک انچ آگے نہ بڑھ سکے تو "مَازَاغَ الْبَصَرُ وَ مَاطَغٰی" کی قوتوں سے فیض یاب ہونے والی ہستی اور "لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ" کی خلوت گاہوں سے سرفراز ہونے والی شخصیت کے بارے میں عقل بے چاری کیا فیصلے کر سکتی ہے؟ علامہ اقبال نے اسی فکری احساس کو صفحۂ قرطاس پر لاتے ہوئے عشقِ رسالت مآب کی سرمستی میں نعرۂ مستانہ بلند کرتے ہوئے فرمایا تھا:

من بندۂ آزادم، عشق است امامِ من
عشق است امامِ من، عقل است غلامِ من

دُنیا کو بالآخر تسلیم کرنا پڑے گا کہ معراجِ انسانیت کی کلیدِ جہاں کشائی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جو کچھ موجود ہے اُن ہی کے نور کا ظہور ہے اور جو آگے آنے والا ہے اُس کی تکمیل بھی رحمتِ کائنات کی کرم فرمائیوں سے ہوگی:

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است
رحمت للعالمینی انتہا است
ہرکجا بینی جہانِ رنگ و بُو
آں کہ از خاکش بروید آرزُو
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

عقل کی حدود سے آگے ایک اور کائنات ہے جس کا اور چھور نورِ نبوت کی روشنی کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا۔ دونوں کے درمیان بہت بڑے حجابات ہیں۔ یہ حجابات بھی آنکھ کے نور کے بجائے دل کے نور سے اُٹھائے جا سکتے ہیں۔ جب کسی انسان کو اللہ رب العالمین دل کا نور عطا کرتا ہے تو وہ بقولِ مولائے روم:

عقل خود قربان کن بہ پیشِ مصطفیٰ

پر عمل پیرا ہو کر بے چون و چرا اطاعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیتا ہے۔ اس طرح پیغمبر کی سنت سے اجماعِ امت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے جس کی وضاحت درج ذیل ہے:

پیغمبر کی سنت سے اجماعِ امت کا رشتہ:

عقل اور ماورائے عقل کے مابین جو حجاب حائل تھا وہ معراج والے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث "اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن" سے دور ہوگیا لیکن عقل پر ماورائے عقل کے تمام راستے کھل جانے کے ساتھ یہ شرط عائد رہی کہ تمام راستے ایک دروازے سے ہوکر گزریں گے جس کا نام توحید ہے۔ علم جو کچھ جاننا چاہے جان سکتا ہے، فن جو کچھ بنانا چاہے اور جو کچھ حاصل کرنا چاہے کرسکتا ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جان پہچان میں یہ امر ملحوظ رہے کہ سب جانچ پڑتال کی اصلیت ایک رب کی محتاج ہے۔ اگر علم نے یکسانیت اور یک جہتی کا اسلوب ترک کردیا تو ایسا علم متضاد اور منتشر ہوکر باطل ہوجائے گا، اگر کسی فرد نے اپنی مختلف و متنوع معلومات کو ایک توحید پر مرتکز نہ کیا تو اس کی شخصیت کے پرزے پرزے ہوکر اُس کے اعمال رائیگاں ہوجائیں گے۔ جہاں علم کے لیے تمام راستے کھول کر اُن کو توحید کے دروازے سے گزرنا لازمی قرار پایا وہاں اس دروازے کی کلید اقرارِ رسالت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم قرار پائی۔ انسان ضعیف البنیان کو کائنات کے تمام اسرار و رموز سے دوچار ہونے کی اجازت اس شرط پر ملی ہے کہ ظاہر پر غیب کے دریچے کھول دینے والے پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا دامن اس حالت میں ہاتھ سے نہ چھوٹے، اگر امت نے اس سنت کا دامن تھام لیا تو پھر اس سنت کا اجماع سنت سلف صالحین کا منصب حاصل کرلے گا اور اگر فرد کے اجتہاد نے اتباعِ سلف صالحین، اجماعِ امت اور سنتِ رسول کی پیروی سے کامیابی حاصل کرلی تو اس انفرادی اجتہاد کے لیے اہل الرائے کے اجماع کے مقام سے گزر کر خود اجماعِ امت کا مقام حاصل کرلینے کی راہ بھی کھلی ہے:

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

اور عقیدۂ خاتمیت کے صدقے امت کو مقامِ خویش سے یوں آگاہ کردیا گیا ہے:

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد   بر رسولِ ما رسالت ختم کرد
رونقِ محفلِ ایام را   او رُسل را ختم و ما اقوام را

دعوتِ عمل:

ہمارے مضمون کی دوسری قسط میں عشق و اطاعتِ رسالت مآب کو اتحاد کے لیے شرط لازم قرار دیا تھا۔ اس لیے ضروری سمجھا کہ مقامِ نبوت کی معرفت کا تھوڑا سا ذکر ضرور کردیا جائے۔ اب ہماری دردمندانہ دل سوزانہ معروضات قارئین کی خدمت میں پیش ہیں اور اب لوگوں کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اپنے اکابر کی عزت و ناموس پر کہاں تک ناموسِ رسالت مآب کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ بھی واضح ہوگیا کہ اکثر اکابر علما نے اپنے نقطۂ نگاہ میں مثبت تبدیلی کرلی ہے جس کی بنا پر انھوں نے عشق و اطاعتِ رسول کی کشش کو محسوس کرتے ہوئے اپنی انا کو نظر انداز کردیا ہے۔ متعلقین، متوسلین، متبعین اور مریدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس تبدیلی کو قبول کرتے ہیں یا ضد و انانیت کے گرداب میں پھنس کر اپنے لیے، نہیں نہیں سارے ملک و ملت کے لیے تباہی کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ اس لیے میرا سوال ہے کہ: **یا چناں کن یا چنیں**

مجھے امید ہے کہ فرقہ پرستی کے بت کو پاش پاش کرتے ہوئے قافلہ سالارانِ عشق ایک نئے عزم اور نئے ولولے کے ساتھ اُٹھیں گے اور "جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو" کے مصداق تعمیرِ نو کا پروگرام مندرجہ ذیل شش گانہ اصولِ ثابتہ پر مرتب کریں گے:

(الف) قطعیتِ فرامینِ کتاب (توحید)
(ب) ختمیّتِ احکامِ رسالت (سنت)
(ج) توسّلِ منہاجِ خلافت (خلافت علیٰ منہاجِ نبوت)
(د) اتباعِ مسلکِ اجماع (وحدتِ امت)
(ہ) اطاعتِ فتویٰ و فیصلہ (عدلیہ کی بالادستی) اور
(و) تمسکِ میثاقِ بیعت (معاہدۂ عمرانی) سے شروع کریں گے، اور

مذہبی گروہ بندیوں اور سیاسی جتھہ بندیوں سے بالاتر ہوکر اتحاد بین المسلمین کے لیے وقف ہوجائیں گے۔ ایک نصب العین کے حصول کے لیے جب تک جنون کی کیفیت پیدا نہیں ہوگی کامیابی ناممکن ہے۔ اگر آپ لوگ اپنی فرقہ وارانہ وفاداریوں کو اوّلیت کا درجہ دیں گے یا اس مہتم بالشان کام کے لیے رواداری کی پالیسی اختیار کریں گے تو منزل کھو دیں گے۔ میں نے اپنے آپ کو بھی اس امتحان گاہ سے جدا نہیں رکھا اور ایک اللہ، ایک رسول، ایک کتاب اور ایک امت کے نعرہ پر ایک نئی تحریک کی ضرورت کو واضح کیا ہے۔ یہ نئی تحریک میرے چہار نکاتی فارمولا سے شروع ہوگی۔

جو حضرات میرے پروگرام سے متفق ہیں، اُن سے درخواست ہے کہ بحث و مناظرہ کو ترک کرکے موافقات و مطابقات کو سامنے رکھیں اور نظامِ مصطفیٰ کے لیے ۱۹۷۷ء میں جس کوہ شگاف عمل کا مظاہرہ کیا تھا اسی کو دوبارہ زندہ کریں گے، کیونکہ:

لطفِ سیرِ دگر چشمِ تمنا لے گی
ایک پلٹا ابھی اور یہ دُنیا لے گی